حرمین کی پکار

مقاماتِ مُقدسہ کے خلاف کفار کی سازشوں کو بے نقاب کرنیوالی تہلکہ خیز کتاب
تحقیقی جائزے تصاویر چارٹ اور نقشے مُستند اعداد و شمار، ہوشربا انکشافات

مفتی ابو لبابہ شاہ منصور

السعید
AL-SAEED
PUBLICATION

حرمین کی پکار
مفتی ابولبابہ شاہ منصور
السعید
AL-SAEED
PUBLICATION
0313-9264214

کتاب..حرمین کی پکار

مصنف..مفتی ابولبابہ شاہ منصور

طبع دوم:..شوال 1433ھ-2012ء

باہتمام..سید محمد انظر شاہ

ناشر..السعید

پرنٹرز..العامر پریس 0321-2382266

ملنے کے پتے

پاکستان کے تمام مشہور کتب خانوں سے دستیاب ہے

رابطہ: 0313-9264214

0313-9264214

فہرست

عالم اسلام میں واقع دنیا کے چھ اہم سمندری دروں پر غیروں کا تسلط 59

انتساب

دو چھوٹے پرندوں کے نام

وہ چڑیا جو چونچ میں تھامے پانی کے قطرے
سے آتشِ نمرود بجھانا چاہتی تھی

اور

وہ ابابیل جن کے چونچ میں اٹکے ایٹمی کنکروں نے
ابرہہ کے دیوپیکر ہاتھیوں کو کھایا ہوا بھوسا کر چھوڑا۔

☆☆☆☆☆

کتاب کے بعد

دوسری اشاعت کا مقدمہ

اس کتاب کی داستان بھی عجیب ہے۔اس کی پہلی اشاعت ہو یا دوسری، اللہ تعالیٰ کے ارادوں کے پورا ہونے اور انسان کی عاجزی اور اس کے ارادوں کی ناپائیداری کا عجیب و غریب ثبوت ہے۔آج سے دس سال پہلے جب اس کی پہلی مرتبہ طباعت کی تیاریاں ہوئیں تو کمپیوٹر کے دماغ سے تین مرتبہ ساری کتاب اڑ گئی۔ایک مرتبہ تو دماغ ہی اڑ گیا۔ ایک مرتبہ تو کتاب تیار ہوئی، مطبع چلی گئی۔اس میں موجود تصویریں اور نقشے مطبع کے کمپیوٹر سے اڑ گئے۔اب کتاب تو دوبارہ (یعنی چوتھی بار) کمپوز ہو سکتی ہے، لیکن تصویریں اور نقشے دوبارہ جمع کرنا اور بنانا کیسی جاں گسل مشقت چاہتا ہے، اس کا اندازہ ان لوگوں کو ہو سکتا ہے جن کو اس طرح کے کاموں سے سابقہ پڑتا رہتا ہے۔خیر اللہ اللہ کر کے آخر کار کتاب شائع ہو گئی۔ہاتھوں ہاتھ نکلی۔دوسری طباعت کے بھرپور تقاضے آنے شروع ہو گئے کہ اتنے میں کتاب پھر غائب ہو گئی۔اب اتنی ہمت نہ تھی کہ اسے دوبارہ (یعنی پانچویں بار) تیار کرتے۔نتیجۃً دس برس گزر گئے۔اس میں کی گئی پیش گوئیاں حرف بہ حرف درست ثابت ہوئیں۔اسلام اور اہلِ اسلام کے خصوصی مہربانوں کی مرکزِ اسلام کے خلاف پیش رفت بہت آگے چلی گئی اور اس دوران چند عالمی حادثات کے وقوع پذیر ہونے سے معاملہ مزید سنگین ہو گیا۔چونکہ یہ مسئلہ پوری مسلم امہ کا بنیادی اور اجتماعی مسئلہ ہے، اس سے آگاہی ہر کلمہ گو پر فرض ہے، اس لیے ایک بار پھر ہمت کر کے جیسے تیسے اس کو شائع کیا جا رہا ہے۔ پرانے نقشوں اور تصویروں کی جگہ نئے نقشے اور تصویریں دی جا رہی ہیں۔حرمین کی مقدس سرزمین پر موجود غیر مسلم افواج کے اعداد و شمار نقشوں میں تو تازہ ترین ہیں، لیکن مضامین میں

وہی ہیں جو پہلی اشاعت میں تھے۔ غیر مقامی مسلح افواج کے نئے اعداد و شمار کی متعین تعداد اور بالضبط تعیین و تحدید اتنا اہم مسئلہ نہیں، انہیں تو آپ از خود دس سال گذرنے پر دس سے ضرب دے سکتے ہیں، اصل مسئلہ یہ ہے کہ بیرونی افواج کم ہوں یا زیادہ، مسلمانوں کے مقدس روحانی مراکز اور بے تحاشا مادی دولت کا دفاع کیسے کیا جائے؟ اس لیے مضامین میں دیے گئے اعداد و شمار پر تو کہیں کہیں جدید حواشی لکھنے پر اکتفا کیا ہے، البتہ کتاب کے آخر میں نقشے اور ان میں درج اعداد و شمار تازہ ترین ہیں۔ مضامین کی تدوین جدید تک کتاب اتنی مؤخر ہوتی کہ اندیشہ تھا اسے ایک بار پھر نئے سرے سے تیار کرنا پڑتا۔

ان دس سالوں میں دنیا بہت بدل گئی ہے۔ اگر کوئی چیز نہیں بدلی تو وہ اہل اسلام اور ساکنانِ عالم کی اس اہم مسئلے سے بے خبری ہے جس کو اس کتاب میں موضوع بنایا گیا ہے۔ اگر گذشتہ عشرے میں اس موضوع پر کوئی خاطر خواہ کام سامنے آتا تو یہ عاجز اس کی دوبارہ اشاعت کی جسارت ہی نہ کرتا۔ مگر احقر کے ناقص علم کے مطابق اب تک اس مسئلے پر مکمل کر نہیں لکھا گیا۔ اس کی وجوہات کا راقم کو بخوبی اندازہ ہے۔ اس لیے اب "تنبیہ مکرر" کہیے یا "فریادِ مؤکد"، یہ دوبارہ نئی شکل میں پیش خدمت ہے۔ نئی تدوین میں کچھ چیزوں کو حذف اور کچھ کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی کہ یہ اس عاجز کی پہلی تصنیف تھی اور اس میں درج مضمون "جا وطن یہودیوں کا خیبر میں جشن" فقیر کی زندگی کا پہلا مضمون تھا۔ پہلی طباعت کے مقدمے کا عنوان تھا: "کتاب سے پہلے" اور دوسری طباعت کے مقدمے کا عنوان ہے: "کتاب کے بعد"۔ ان دونوں عنوانات کے ذریعے کتاب چھپنے کے قبل سے لے کر چھپنے کے بعد تک کی روداد سنا کر اور قارئین کی امانت انہیں سپرد کر کے اب اجازت چاہتا ہوں۔ اس امید پر کہ احقر نے اس امانت کا قرض ادا کر دیا ہے۔ اب اس کا فرض آپ ہی ادا کریں گے۔

شاہ منصور

شعبان: ۱۴۳۳ھ، جون 2012ء

پہلی اشاعت کا مقدمہ

کتاب سے پہلے

الحمد للّٰہ و کفی، و الصلاۃ و السلام علی عبادہ الذین اصطفی، أما بعد:

تاریخِ اسلام میں بہت سے ایسے واقعات ہوئے ہیں جو مسلمانوں کے لیے غم انگیز اور روح فرسا تھے، لیکن موجودہ صدی میں ایک ایسا واقعہ رونما ہو گیا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی وفاتِ حسرت آیات کے بعد سب سے زیادہ رنج والم کا باعث اور فکر و تردد کا سبب ہے۔ اس کے آگے سقوطِ بغداد کا سانحہ بھی ہلکا ہے اور خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ بھی اس سے کمتر مصیبت ہے اور وہ ہے: ''جزیرۂ عرب کی مقدس سرزمین پر یہود و نصاریٰ کی سامان حرب اور لاؤ لشکر کے ساتھ آمد۔'' اس واقعہ کی ابتدا اس صدی کے وسط میں جزیرۂ عرب کے جنوبی کنارے پر یہودیوں کی خود مختار ریاست کے قیام سے ہوئی تھی اور قبلۂ اول کے سقوط سے ہوتے ہوتے اب نوبت حرمین شریفین کے گرداگرد مسلح افواج کے مستقل فوجی اڈوں تک پہنچ گئی ہے۔ عالمِ اسلام اسی طرح بے حس اور اجتماعی مسائل سے کنارہ کش رہا تو آنے والا کل نجانے کیا دن دکھائے۔

اس بارے میں خلیجی حکمرانوں کی غفلت اور خاموشی تو سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ ان کو دنیا میں لگانے اور جہاد فی سبیل اللہ سے دور کرنے کے لیے طویل المیعاد منصوبہ بندیاں اور دوررس تدبیریں کی گئی تھیں، لیکن اس مسئلے سے جو سارے عالمِ اسلام کا مشترک اور اہم ترین مسئلہ ہے، معمورۂ ارض پر بسنے والے سوا ارب سے زیادہ مسلمانوں کی بے توجہی اور بار بار انتباہ کے باوجود مسلسل کنارہ کشی انتہائی افسوسناک اور حسرت انگیز ہے۔ نجانے وہ کسی معجزہ کے ظہور کی آس لگائے ہوئے ہیں یا تازیانۂ قدرت کے منتظر ہیں کہ اپنی دنیا میں

مست، اپنے لیے سامان عیش وراحت مہیا کرنے میں مگن اور چند روزہ حیات فانی کو زیادہ سے زیادہ لطف اندوز بنانے کی دُھن میں غرق ہیں۔ یہ سمجھے بغیر کہ مسلمان کی دنیا اس وقت تک نہیں بن سکتی جب تک وہ دین کے تقاضوں کو دنیا کی مصلحتوں پر مقدم نہیں کرے گا......

اور یہ جانے بغیر کہ انہیں اپنے گردو پیش جو عارضی امن وامان، عیش وسکون اور دنیا کے بنے ہوئے نقشے نظر آرہے ہیں، یہ اس وقت تک پائیدار اور عافیت وسلامتی کے ضامن نہیں ہو سکتے جب تک خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے سات آسمانوں کے اوپر سے اتارے ہوئے مقدس ومطہر دین کے تحفظ و پاسبانی کے لیے قربانیاں نہیں دی جائیں گی۔ اس میں شک نہیں خدائے قہار ومقتدر اپنے دین کی حفاظت کے لیے خارق العادت اسباب و واقعات بھی وجود میں لے آتا ہے، لیکن اس کے بندے بھی حسبِ حیثیت جدو جہد کے بغیر اُس فرض سے سبکدوش نہیں ہوسکتے جو ان پر عائد کیا گیا ہے۔ غیبی نصرت الٰہی پر مشتمل مافوق الفطرت واقعات کا ظہور نہ دنیا میں کسی کے لیے غفلت وسستی کا جواز بن سکتا ہے، نہ روز قیامت اس سوال کا جواب بن سکتا ہے جو ہر ایک سے اس حالت میں کیا جائے گا کہ اس کے اور اس کے خالق ومالک کے درمیان کوئی آڑ نہ ہوگی۔

خطرہ یہ محسوس ہوتا ہے اگر اس مسئلے پر عالمِ اسلام یوں ہی خاموش رہا تو آنے والی نسل سرے سے اس بات سے ہی بے خبر نہ رہ جائے کہ اس کے آباواجداد کن رفعتوں کے حامل اور کن عظمتوں کے امین تھے اور ان سے کون سی ایسی چیز چھین لی گئی تھی جس کی بازیابی کی کوشش اب ان کے وارثوں پر فرض ہے؟ اندیشہ ہے مسلمان جس طرح اندلس کو بھلا بیٹھے۔ بیت المقدس پر کفِ افسوس تو ملتے ہیں، لیکن اسرائیل کے زیر قبضہ دیگر مسلم علاقوں کی انہیں چنداں فکر نہیں۔ کشمیر کا غم تو ان کو ہے، لیکن ہندوؤں کے پاس رہ جانے والے وہ تمام طویل و عریض خطے جو مغلیہ سلطنت میں شامل تھے، ان کے جاتے رہنے کا انہیں احساس بھی نہیں۔

اسی طرح کہیں کل وہ جزیرۂ عرب کے دیگر مقدس خطوں میں یہود و نصاریٰ کی ناجائز موجودگی کو معمول کا واقعہ اور حوادثات زمانہ کا حصہ سمجھ کر ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہ کرنے لگ جائیں۔ لہٰذا اس مجرمانہ خاموشی کا جمود توڑنے اور عالم اسلام کو اس اہم ترین فریضہ کی ادائیگی کے لیے کمربستہ ہوجانے کی ترغیب کے لیے یہ مجموعہ مرتب کیا گیا ہے۔

اس میں آپ کو اپنوں کی سادگی اور بے حسی کا شکوہ بھی ملے گا اور غیروں کی چالاکی کا خاکہ بھی۔ اس میں باوثوق حوالوں سے نقل کی گئی مستند معلومات بھی ہیں اور محققانہ تجزیے بھی۔ مرض کی تشخیص بھی ہے اور علاج کی تجویز بھی۔ یہ سب کچھ پیش کرنے کی ضرورت اس لیے پڑی کہ اس وقت مسلمانوں میں دو قسم کے خیالات کے لوگ پائے جاتے ہیں: ایک تو وہ جو حج وعمرہ کا سفر بخیر وعافیت کر لیتے ہیں تو انہیں یقین ہی نہیں آتا یہود و نصاریٰ کی طرف سے اتنی بڑی پیش قدمی اور دست درازی ہو چکی ہے۔ اس مجموعے میں درج حقائق ان کی آنکھیں کھولنے اور سر پر آ پہنچنے والے طوفان کے سدباب کے لیے کمربستہ ہو جانے کے لیے کافی ہونے چاہییں۔ دوسرے وہ جو اس سانحے کو تسلیم تو کرتے ہیں، لیکن انہیں اس سلسلے میں اپنے اوپر لاگو ہونے والے فرائض کا کوئی واضح تصور نہیں وہ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟ یہ مجموعہ ان کی رہنمائی کرے گا کہ اُمت مسلمہ کا ہر فرد اپنی اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق حق و باطل کے درمیان برپا اس معرکے میں شریک ہو کر بہت کچھ کر سکتا ہے۔ علماء اور واعظین ترغیب و تحریض کے ذریعے، تاجر اور سرمایہ دار اللہ کے راستے میں جان لگانے والوں پر مال خرچ کر کے، نوجوان اپنی پاکیزہ جوانیوں کو بارگاہ الٰہی میں قربانی کے لیے پیش کر کے اور جو کچھ بھی نہ کر سکے وہ اللہ والوں کی خدمت اور ان کے لیے فتح و نصرت کی دعا کر کے اس مبارک جدوجہد میں حصہ ڈال سکتا ہے۔

آخر میں یہ عرض کر کے بات ختم کی جاتی ہے کہ حرمین کا مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر

اُمت مسلمہ اکٹھی ہوسکتی ہے۔ اس لیے اتحاد و اتفاق کے داعی حضرات کو اس پر خصوصیت سے توجہ دینی چاہیے۔ ہم نے اس پر جو کچھ لکھا ہے یہ محض نوحہ و ماتم نہیں، نہ ایسی فریاد اور واویلا جو غفلت سے بیدار کرے تو احساسِ کمتری میں گرفتار کرادے۔ یہ رگ و پے میں برقِ تاباں دوڑا دینے اور جسم و جاں میں حرارتِ فراواں پیدا کر دینے والی دعوت ہے جو امتِ مسلمہ میں بیداری کی روح پھونکنے، غلبۂ دین کے لیے سربکف نکل کھڑے ہونے اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اپنا سب کچھ وار دینے کا جذبہ اجاگر کرنے پر ابھارتی ہیں۔ اسے صرف مسئلہ خلیج کے تناظر میں نہ پڑھا جائے، کیونکہ مسئلہ صرف حرمین شریفین کا نہیں، بیت المقدس اور حرم ابراہیمی کا بھی ہے۔ قرطبہ کی جامع مسجد اور فیض آباد کی بابری مسجد کا بھی ہے۔ ہر اس مقدس مقام کا ہے جہاں کبھی تکبیر و تہلیل کی زمزمہ بار صدائیں گونجتی تھیں، آج وہاں ویرانی اور سناٹوں کا راج ہے۔ ہر اس پاک خطے کا ہے جو کبھی اہلِ توحید کے سجدوں سے آباد تھا، آج مشرکوں اور خدا کے غضب کے مستحق نافرمان یہود و نصاریٰ کے غاصبانہ قبضے میں ہے اور اس وقت تک رہے گا جب تک مسلمان عبادات کے ساتھ ساتھ ان کے تحفظ کو بھی فرض نہیں سمجھتے۔ سجدہ کے آداب کا لحاظ رکھنے کے ساتھ سجدہ گاہ کی حفاظت کے آداب کا خیال نہیں کرتے...... اور جس دن انہوں نے ان آداب کا خیال رکھنا شروع کر دیا، اس دن سے ان کے عروج کا سفر دوبارہ شروع ہو جائے گا۔ کیونکہ تاریخِ عالم شاہد ہے جس دور میں بھی یہ صفت مسلمانوں میں پیدا ہوگئی، پھر انہیں کوئی قوت نہ جھکا سکی۔ پھر کامیابیوں نے ان کے قدم چومے ہیں۔ کامرانی و شادمانی ان کے گلے کا ہار بنی ہے اور فتح و غلبہ ان کے سینوں کا تمغہ۔ خدا کرے یہ ہار پھر ان کے گلے کی زینت بن جائے اور ایسے تمغوں سے ان کا سینہ پھر سے سج جائے۔ آمین یا ربّ الحرمین، آمین یا ربّ الشہداء والمجاھدین۔

شاہ منصور

مسئلہ خلیج کیا ہے؟

مسئلہ خلیج کیا ہے؟ امریکی اور یہودی افواج کس مقصد کے لیے اس مقدس خطے کے چاروں طرف ڈیرہ ڈالے ہوئی ہیں؟ کل تک مجاہدین کو ہیرو سمجھنے والے آج کس وجہ سے ان کے خون کے پیاسے ہیں؟ مسلم زعما ارضِ حرمین میں یہودی و نصرانی افواج کی موجودگی کو اسلام اور عالم اسلام کے خلاف ایک گہری اور سوچی سمجھی سازش کیوں قرار دے رہے ہیں؟ عالم اسلام کے تاریخی دشمن مسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت کا ذمہ کیوں لیے ہوئے ہیں؟ بوسنیا اور کشمیر میں دل دہلا دینے والے انسانیت سوز مظالم کو رکوانے کے لیے جس عالمی پولیس مین نے آج تک کچھ نہیں کیا، وہ سعودی حکمرانوں کی ایک درخواست پر اپنے عظیم لاؤ لشکر، بھاری و جدید اسلحے کے ساتھ کیوں تپتے صحراؤں میں ڈیرا ڈالے ہوئے ہے؟ بے تحاشا زمینی، فضائی اور بحری قوت کے ساتھ حرمین شریفین کے گرد اس کی موجودگی، کس بھیانک خطرے کا دفاع کرنے یا کس اندوہناک ظلم کو بند کروانے کے لیے ہے؟ ان سب سوالوں کا جواب جاننے کے لیے جزیرۂ عرب کے دینی تقدس، جغرافیائی اہمیت اور عالمی معاشی واقتصادی نظام پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔ ذیل کی سطروں میں انہی نکات کو سامنے رکھتے ہوئے اس عالمی صہیونی منصوبے سے مسلمانوں کو باخبر کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو مسلمانوں کے ازلی دشمنوں نے ان کے خلاف تیار کی ہے اور جس کا جال روز بروز ان کے گرد تنگ ہوتا جا رہا ہے۔ اب وقت آ گیا ہے یا وہ ہوش میں آ جائیں یا ہمیشہ کے لیے نیست و نابود ہونے کے لیے تیار ہو جائیں یا تو خوابِ غفلت سے

بیدار ہو کر اپنے مقدس مقامات کا تحفظ کریں یا پھر اپنی بے حسی اور بزدلی پر اللہ جل جلالہ کے غضب کا نشانہ بننے کے لیے تیار ہو جائیں اور اس دن کا انتظار کریں جب اللہ تعالیٰ ان کو ہٹا کر دوسرے غیرت مند مسلمانوں کو سامنے لے آئے، جو اپنی عیاشیوں میں مست نہ ہوں گے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے مقدس مقامات کے تحفظ کی خاطر ہمہ وقت تیار اور آمادہ ہوں گے۔

جزیرۂ عرب کی اہمیت: 3 اہم وجوہات

جزیرۂ عرب ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک کئی لحاظ سے اہمیت رکھتا ہے اور روزِ قیامت تک اس کی یہ اہمیت اور کرۂ ارض کے دوسرے خطوں پر اس کی برتری قائم رہے گی۔ اس کی کئی وجوہ ہیں۔

پہلی وجہ۔ مذہبی حیثیت:

پہلی وجہ دینی و مذہبی اعتبار سے ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے مذاہب اسلام، یہودیت، نصرانیت اور صابئیت وغیرہ اسی خطے میں پروان چڑھے اور یہیں سے دنیا بھر میں پھیلے۔ جلیل القدر انبیائے کرام اسی سرزمین کے باسیوں کی طرف مبعوث ہوئے۔ چاروں آسمانی کتابیں اور اکثر آسمانی صحیفے یہیں اترے۔ دنیا کی کئی بڑی بڑی قومیں اسی خطے میں گزری ہیں جن کے آثار قدیمہ آج بھی جابجا پھیلے ہوئے ہیں۔ انہی وجوہ کی بنا پر یہ خطہ مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں سب کے نزدیک مقدس اور اہم ہے۔ مسلمانوں کے تمام مقدس مقامات تو خیر یہاں ہیں ہی، لیکن یہودی اور عیسائی بزعم خود جن مقامات کو مقدس مانتے ہیں وہ بھی اسی سرزمینِ عرب میں پائے جاتے ہیں۔ یہودیوں کی روزِ اوّل سے کوشش رہی ہے کسی طرح یہاں کے مخصوص علاقوں پر قبضہ کر کے صہیونی ریاست قائم کی جائے۔ اسرائیل کے جھنڈے میں دو نیلی پٹیاں دکھائی گئی ہیں، ان سے مراد دو دریا ہیں: ایک دجلہ اور دوسرا نیل۔ یہودی ان دریاؤں کو اپنے اسرائیل کی حدود مملکت مانتے ہیں اور ان دونوں کے درمیانی خطے میں خالص یہودی ریاست قائم کرنے کے لیے عرصے سے کوشاں ہیں، لیکن

اللہ تعالیٰ کی نافرمان اور انبیاء کرام علیہم السلام کی گستاخ اس راندۂ درگاہ قوم کو اس مقصد میں عرصے سے کوئی کامیابی نصیب نہ ہوئی تھی، لیکن اب مسلمانوں کی شامتِ اعمال، بزدلی اور بے حسی سے بالآخر یہ عیار قوم فلسطین پر اپنے پنجے گاڑنے میں کامیاب ہوگئی ہے۔

خلیج میں مغربی افواج کی یلغار کیوں؟

لیکن فلسطین کی محدود سرزمین پر اسرائیل کا قیام ایک عالمی صہیونی ریاست کی داغ بیل ڈالنے کی طرف یہودیوں کا پہلا قدم تھا۔ اب اگلا مرحلہ ''گریٹر اسرائیل'' کا قیام ہے، جس کے لیے فیصلہ کن اور آخری معرکہ خلیج میں مغربی افواج کی یلغار کے نتیجہ میں برپا ہونے والا ہے۔ مختلف مغربی ممالک کی جو افواج سعودیہ اور اس کے آس پاس کے ممالک میں حیلے بہانوں کی آڑ میں موجود ہیں، ان کا سربراہ ہمیشہ یہودی یا عیسائی ہوتا ہے۔ ان کے فوجیوں کی اکثریت یہودیوں، عیسائیوں اور ملحدوں پر مشتمل ہے۔ ان کی دیدۂ دلیری کا یہ عالم ہے ان فوجی اڈوں اور قرارگاہوں میں کوئی اعلیٰ مقامی افسر داخل تک نہیں ہوسکتا۔ عالمی پریس میں خبر آچکی ہے ایک غیرت مند سعودی افسر کو امریکیوں نے سعودی حکومت سے کہہ کر محض اس بات پر معزول کروادیا تھا کہ اس نے ایک فوجی مرکز میں داخلے سے منع کرنے پر وہاں موجود امریکی عہدیدار سے الجھنے کی کوشش کی تھی۔ یہ سارے فوجی مراکز براہ راست امریکی کمان کے ماتحت ہیں، نیز اپنے معاملات میں مکمل خودمختار اور کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہیں۔ کیا تحفظ کے لیے لائی گئی فوج کے یہی تیور ہوتے ہیں؟! ان کی نفری اور اسلحے کی تعداد، عظیم بحری اور فضائی قوت، بآوازِ بلند بتا رہی ہے ان کی وہاں موجودگی مسلمانوں کے تحفظ کے لیے نہیں، کسی انتہائی خطرناک سازش کے تحت ہے۔ اگر عراق کی جانب سے درپیش موہوم خطرے کا دفاع ہی مقصود ہے تو امریکی افواج کو عراق سے ملحقہ سرحد پر موجود ہونا چاہیے۔ سرحد سے سیکڑوں میل دور، سعودیہ کے قلب میں، حرمِ کعبہ سے چند میلوں کے

فاصلے پر، جدّہ اور طائف میں ان کی موجودگی کا کیا معنی؟ اگر فرض کرلیا جائے سعودیہ کے مقدس مقامات کو عراق سے خطرہ ہے تو عراق سے سینکڑوں میل دور بحرین، عمان اور مصر کو کس چیز کا ڈر ہے؟ ڈہلران اور مسقط میں امریکی اڈے کس لیے بنائے گئے ہیں؟ کیا ایک خطرہ کے مقابلے کے لیے اس سے زیادہ خطرے کو اپنے گھر لا کر اتار دیا جاتا ہے؟ کیا عیار صہیونی اور متعصب عیسائی صدر صدام سے زیادہ خطرناک ہیں؟ اگر وہ کوفہ و بغداد کے دروازے سارے عالم اسلام کے لیے کھلے رکھتا ہے تو کیا بیت اللہ کے حج اور روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت پر پابندی لگا دے گا؟ خطرہ دراصل سعودیہ کو نہیں، سعودی حکمرانوں اور ان کی حکومت کو تھا اور یہ خطرہ بھی ان یہودیوں کا پیدا کردہ، فرضی اور مصنوعی تھا۔ انہوں نے سیٹلائٹ کے ذریعے حاصل کردہ ایسی فرضی تصویریں سعودی حکمرانوں کو دکھائیں جن سے معلوم ہوتا تھا صدر صدام چند لمحوں میں سعودیہ پر حملہ آور ہونے والا ہے۔ ان تصویروں کا ہوّا بنا کر سعودی حکمرانوں کو نہ کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع دیا گیا، نہ مسلمان ممالک سے مشورہ لینے اور امداد حاصل کرنے کا۔ ان کو دم لینے کی مہلت دیے بغیر راتوں رات اپنے فوجی اور جدید اسلحے کے انبار لا کر ڈھیر کر دیے۔ پھر ناانصافی کی انتہا ہے اپنے مذموم مقاصد کو پورا کرنے کے لیے آئی ہوئی فوج اپنے تمام تر اخراجات مسلمانوں کے خزانے سے لے رہی ہے!! کیا آسمان نے اس سے زیادہ افسوسناک اور اندوہناک منظر اس سے پہلے دیکھا ہو گا؟ ع

سادگی مسلم کی دیکھ، اوروں کی عیاری بھی دیکھ

جلاوطن یہودیوں کا خیبر میں جشن:

اب یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ یہودی افواج سعودیہ میں اتریں تو انہوں نے خیبر میں جمع ہو کر جشن منایا۔ اس موقع کے لیے خصوصی طور پر بلائے گئے ان کے بڑے بڑے

ربائیوں (یہودی پادریوں) نے وعظ کیے۔ وہاں خنزیر کے کبابوں کے ساتھ شراب کے جام لنڈھائے گئے۔ ساری دنیا کے یہودیوں نے خوشی منائی ہم نے اپنی ہزار سالہ پرانی ذلت آمیز شکست کا بدلہ لے لیا ہے۔

یہ محبت واطاعت ہے یا حماقت و بزدلی؟

فاتح خیبر کے جانشین مسلمانو! تمہاری غیرت کہاں سوگئی ہے؟ خیبر کے قلعے کو پاؤں تلے روند ڈالنے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی روحوں پر ایسے وقت کیا گزری ہوگی؟ تمہارے زنگ آلود دلوں کو اس کا احساس ہے یا نہیں؟ کیا تم اسی دن کے لیے نمازیں پڑھتے اور روزے رکھتے ہو؟ جن جگہوں کو تمہارے اسلاف نے اپنی مقدس جانیں قربان کر کے فتح کیا، ان پر یہودیوں کے قدم پہنچ جائیں اور تم اپنے گھروں میں بیٹھے تماشا دیکھتے رہو؟ یہ نمازیں تمہارے کچھ کام نہ آئیں گی۔ یہ عبادات لپیٹ کر تمہارے منہ پر ماردی جائیں گی۔ جس کعبے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہو، وہ خطرے میں ہو تو تمہارے سجدوں کی اللہ تعالی کے یہاں کیا قبولیت؟ جس نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہو اس کے روضۂ مقدس سے کفار چند میل کے فاصلے پر پہنچ چکے ہوں اور تم خود سے گھڑے ہوئے خانہ ساز صلوٰۃ وسلام پڑھنے میں لگے رہو، تو یہ محبت واطاعت ہے یا حماقت اور بزدلی؟

نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی آخری وصیت:

تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وصیت یہ کی تھی: ''یہود و نصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے نکال دو۔'' یہ ان غیر مسلموں کے بارے میں تھی جو نسلاً عرب تھے۔ یہاں کے اصلی باشندے تھے۔ نسل در نسل یہاں رہتے چلے آرہے تھے۔ جب اسلام کے بغیر ان کے وجود کو برداشت نہیں کیا گیا تو یہ کس طرح روا ہوسکتا ہے کہ دار الکفر والشرک میں رہنے والے اور مشرکوں کو دعوت دے کر یہاں بلایا جائے؟ جب جزیرۂ عرب کے دور دراز غیر

اہم گوشوں اور صحراؤں میں ان کو رہنے کی اجازت نہیں تو حرمین شریفین کے قریب ان کو کیونکر مستقل اڈے فراہم کیے جاسکتے ہیں؟

کیا مسلمانوں میں مرد پیدا ہونا ختم ہو گئے ہیں؟

کیا یہ بات عقل تسلیم کرتی ہے اللہ کے دشمن اس کے گھر کی حفاظت کے لیے آئیں؟ کوئی ذی ہوش یہ بات مان سکتا ہے، جن بدفطرتوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر بلا کر، چکی کا پاٹ گرا کر شہید کرنے کی تدبیریں کی، جان لیوا جادو کیے، دشمنوں کو سرمایہ دے کر مدینہ منورہ پر لا چڑھایا، بار بار کے معاہدوں کے باوجود عہد شکنی کی، آخر کار دھوکے سے کھانے میں زہر ملایا، کیا یہ بدطینت لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اپنی غلطیوں سے تائب ہو گئے ہیں کہ ان کے مقدس روضے کی حفاظت کے لیے دور دراز کا سفر کر کے اتنی مصیبتیں جھیل رہے ہیں؟ کیا دنیا بھر کے مسلمانوں میں کوئی ایسا نہیں رہا جو اپنے دین کے مقدس مقامات کی حفاظت کے لیے اپنے ازلی دشمن سے لیڈیز فورس منگوانے کی نوبت آ گئی ہے؟[1]

یہود و نصاریٰ ازلی مسلم دشمن ہیں:

مسلمانو! تمہاری سچی کتاب نے کافی واضح طور پر خبر دی ہے یہ تمہارے ازلی اور بدترین دشمن ہیں انہیں دوست نہ بناؤ، یہ تمہارے خیر خواہ کبھی نہیں ہو سکتے۔ تم اس کے باوجود ان کو دوست سے بڑھ کر اپنا سرپرست، محافظ اور مددگار بنانے پر تلے ہوئے ہو؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو ان کی خصلت اور جبلت تبدیل نہیں ہوتی۔ سانپ ڈسنا اور بچھو ڈنک مارنا کبھی نہیں چھوڑ سکتا اِلّا یہ کہ ان کے زہر کی تھیلی اور ڈنک کی نوک نکال دی جائے۔ اسی طرح یہ عیسائی و یہودی مسلمانوں کی عداوت اس وقت تک نہیں چھوڑ سکتے جب تک ''تیسری جنگ عظیم'' میں فیصلہ

1- سعودیہ آئی ہوئی امریکی افواج میں عورتوں کی یونٹیں بھی شامل ہیں۔

کن معرکہ اختتام کو نہ پہنچ جائے۔ جو قوم اپنے دین و مذہب کے شعائر کی حفاظت کا فریضہ غیر مسلموں کو تنخواہ پر سونپ دیتی ہے، وہ ان سے معرکہ میں کیا کردار ادا کرے گی؟

تحفظِ حرمین کی ذمہ داری مسلم افواج کو کیوں نہیں دی جاتی؟

مانا عرب مجاہدین سے مطلق العنان بادشاہتوں کو خطرہ ہے تو دنیا کے دوسرے مسلم ممالک جن کی فوجیں ممتاز ترین عسکری صلاحیتوں کی حامل ہیں مثلاً پاکستان، کیا ان میں اتنا جذبۂ ایمانی نہیں وہ اپنے ملکوں کی حفاظت کے لیے تو جان کی بازی لگائیں اور اللہ کے گھر کی نگہبانی نہ کرسکیں؟ دنیا میں ایسے مسلمان ممالک موجود ہیں جن کی افواج اپنی یادگار کارکردگی اور شاندار روایات کی بنا پر دنیا بھر میں صفِ اوّل کی عسکری قوتیں سمجھی جاتی ہیں، ان کو تحفظ حرمین کے اعزاز سے محروم کر کے غیر مسلموں کو یہ خدمت سونپنا کہاں کا انصاف ہے؟ کیا بات ہے غیر مسلم فوجوں کو بھاری جنگی اخراجات کے علاوہ خنزیر، شراب اور...... مہیا کر کے بھی رکھا جارہا ہے؟ مسلمان کی دولت لوٹ کر اغیار اپنے خزانے بھر رہے ہیں اور اپنے مذہبی بھائی اسی لوٹی ہوئی دولت سے قرضہ مانگنے پر مجبور ہیں۔ امریکا سالانہ 50 ملین ڈالر فوجی اخراجات کی مد میں وصول کرتا ہے۔ اگر اس کا عشر عشیر بھی سعودیہ پاکستان کو ادا کردے تو نہ صرف پاکستان کے بیشتر دفاعی اخراجات پورے ہوجائیں، بلکہ اسلامی ممالک کے درمیان بے مثال اخوت اور بھائی چارگی کا مظاہرہ دیکھنے میں آئے۔

وہمی خطرے، فرضی اندیشے:

حقیقت یہ ہے غیر مسلم مغربی افواج نہ حرمین کے تحفظ کے لیے آئی ہیں نہ وہ صدر صدام کا خطرہ ٹلنے کے بعد واپس جائیں گی۔ اگر صدر صدام سے واقعی کوئی خطرہ ہوتا تو جہاں شاہ فیصل شہید کیے جاسکتے ہیں، جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم اور دیگر چوٹی کے عسکری قائدین کے طیارے کو اڑایا جاسکتا ہے، شیخ عبداللہ عزام رحمہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں بم لگایا

جا سکتا ہے، یوسف رمزی اور عامل کانسی کی گرفتاری کے لیے امریکی کمانڈوز دنیا بھر میں بو سونگھتے پھر سکتے ہیں، شیخ اسامہ بن لادن کی گرفتاری کے لیے سی آئی اے میں مخصوص شعبہ قائم کیا جا سکتا ہے، تو عراقی صدر بھی امریکا بہادر کے لیے کوئی مسئلہ نہیں کہ امریکا دنیا بھر میں اپنے مخالفین کو خریدنے یا پھر انہیں ختم کرنے پر تلا بیٹھا رہتا ہے۔ ان کے پورے ملک پر حملے کی حماقت نہیں کرتا۔ بات حقیقت میں یہ ہے جب کبھی امریکا کو 'ارضِ حرمین' میں مزید فوج بلانے، اسلحہ کا اضافہ کرنے یا جنگی اخراجات بڑھانے کی ضرورت پیش پڑتی ہے، وہ اس فرضی خطرے کو حقیقی بنانے کے لیے نئے سرے سے اداکاری شروع کر دیتا ہے۔

امریکا کو ہمدرد اور مددگار سمجھنے والوں کو اس خبر پر غور کرنا چاہیے جو عالمی ذرائع ابلاغ نے شائع کی تھی۔ امریکی صدر بل کلنٹن جب اپنی بہادر فوج کا حوصلہ بڑھانے سعودیہ کے دورے پر گئے تو بین الاقوامی مسلمہ روایات کے تحت سعودیہ کے فرماں رواسے ملنے کے بجائے سیدھا ''حفر الباطن'' میں امریکی فوجی اڈے پر جا کے اترے اور گورنر ریاض کی مہمان نوازی قبول کرنے کے بجائے اس کو اپنی جائے رہائش پر ملاقات کے لیے وقت دیا۔ کیا یہ بعینہ بہادر شاہ ظفر اور انگریز وائسرائے والی کہانی تو نہیں، جو جگہ اور ناموں کی ذرا سی تبدیلی کے ساتھ دہرائی جا رہی ہے؟

گھر کے بھیدی کا انکشاف:

اگر امریکی افواج کی آمد کے بعد واپسی کا کوئی ارادہ ہوتا تو شاہ فہد کے بھائی طلال بن عبدالعزیز 7 ذیقعدہ 1418ھ کو بی بی سی سے بات چیت کرتے ہوئے یہ نہ کہتے: ''امریکی فوجیں ہمارے کہنے سے بھی واپس نہیں جائیں گی۔'' ایک ذمہ دار سعودی امیر کا یہ بیان دنیا بھر کے مسلمانوں کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہونا چاہیے۔ مسلمانوں کو بھی سمجھ لینا چاہیے جس کے خلاف وہ مردہ باد کے نعرے لگاتے ہیں، ریلیاں نکالتے ہیں، وہ اپنی

فطرت کی انتہا کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کی سرزمین میں آ چکا ہے۔ جس کے جھنڈے وہ جلاتے تھے وہ خود ان کے گھر آ موجود ہوا ہے۔

کیا پھر کسی کو کسی کا امتحان مقصود ہے؟

اب چشمِ فلک دیکھنا چاہتی ہے مسلمان اپنے عزت مند اسلاف کی تاریخ دہراتے ہیں یا بدستور اپنی عیاشیوں اور بداعمالیوں میں مست رہتے ہوئے عبرت آموز انجام سے دوچار ہوتے ہیں۔ ۔

آگ ہے، اولادِ ابراہیم ہے، نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے!

دوسری وجہ۔ جغرافیائی حیثیت:

جزیرۂ عرب کے اہمیت کی دوسری وجہ جغرافیائی نوعیت کی ہے۔ یہ اپنے محلِ وقوع کے اعتبار سے کرۂ ارض کے قلب میں واقع ہے۔ دنیا کے اہم بحری راستے اس کے اردگرد واقع ہیں۔ اس پر جو قابض ہو وہ ساری دنیا کے سمندری حمل ونقل کے اہم ترین ذرائع پر قابض سمجھا جاتا ہے، کیونکہ اس کے ایک طرف خلیج عرب یا خلیج فارس ہے، جس میں پوری دنیا کے پیٹرول کا 62 فیصد سے 75 فیصد ذخیرہ موجود ہے۔ جو اس وقت دنیا کی موجودہ ترقی، مغربی ممالک کے فوجی، اقتصادی اور سیاسی وجود کے لیے شہ رگ ہے۔ خلیج عرب سے تھوڑا آگے پورے جزیرہ نمائے عرب سے لگتا ہوا ''بحرِ عرب'' یا ''بحرِ ہند'' ہے، جزیرۂ عرب کے مشرق میں ''خلیج عمان'' اور مغرب میں ''خلیج عدن'' واقع ہے، یہ پورا علاقہ مشرق ومغرب کی گزرگاہ اور عالمی تجارت اور ہر قسم کی نقل وحمل کے لیے عالمی شاہراہ ہے۔ جزیرہ نمائے عرب کی دوسری طرف ''بحرِ احمر'' یا ''بحرِ قلزم'' ہے، جو براعظم ایشیا اور براعظم افریقہ کے درمیان ہونے والی تجارت اور بذریعہ سمندر آمدورفت اس سے گزرے بغیر نہیں ہو سکتی۔ بحرِ احمر کو

استعمال کیے بغیر سمندری راستے کے ذریعے اگر کوئی ایشیا سے یورپ وامریکا جانا چاہے تو وہ بحر ہند میں خلیج عدن پہنچ کر صومالیہ، کینیا، تنزانیہ اور موزمبیق کے ساحلوں سے ہوتا ہوا، دنیا کی آخری زمینی حد اور براعظم افریقہ کے بالکل انتہائی جنوبی ساحل کیپ ٹاؤن کے اوپر سے گھوم کر، مہینوں کے سفر کی مشقت اٹھا کر اور سینکڑوں اضافی میل طے کر کے منزل مقصود پہنچ سکے گا۔ اس پر بے پناہ مصارف کے علاوہ اس قدر وقت خرچ ہوگا جو اس کی تجارت نفع کا ذریعہ نہیں، بلکہ خسارے کا بکھیڑا بن جائے گی۔ اس کے برعکس اگر ''بحر احمر'' کو استعمال کیا جائے تو ''خلیج عدن'' کے بعد باب المندب اور جبوتی کے پاس سے خلیج احمر میں داخل ہونے کے بعد، ''حنیش'' اور ''دھلک'' کے جزیروں سے گزر کر ''جدہ'' اور ''ینبوع'' کی بندرگاہوں کے پاس سے ہوتے ہوئے، ''نہر سوئز'' کے ذریعے با آسانی ''بحر متوسط'' اور ''بحیرۂ روم'' میں داخل ہوا جا سکتا ہے۔ یورپ کے ساحل ''بحر متوسط'' کے ساتھ لگتے ہیں۔ اس سمندر کے ایک طرف براعظم افریقہ کے مصر، لیبیا، تیونس، الجزائر اور مراکش واقع ہیں۔ دوسری طرف ترکی، یونان، اٹلی، البانیہ، فرانس اور اسپین ہیں، یہ ممالک ''بحیرۂ روم'' کے یورپی کنارے پر واقع ہیں۔ اسپین پر ''بحر متوسط'' ختم ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر ایک طرف ''اسپین'' ہے دوسری طرف ''مراکش''۔ ان دونوں کے درمیان ایک تنگ سمندری درّہ ہے جس کا نام ''درّۂ جبل طارق'' ہے۔ (یہی تاریخ اسلام کا وہ درخشاں مقام ہے جہاں فاتح اندلس ''طارق بن زیاد'' نے اسلامی لشکر کے ساتھ اتر کر کشتیاں جلا دی تھیں) اس درے سے گزرتے ہی ''بحر اوقیانوس'' یا ''بحر اٹلانٹک'' شروع ہو جاتا ہے۔ یہاں تھوڑا اوپر ہٹ کر برطانیہ ہے۔ بحر اوقیانوس کے مشرق میں براعظم یورپ وافریقہ ہے تو مغرب میں براعظم شمالی وجنوبی امریکا۔ بحر اوقیانوس کو پار کر کے بآسانی امریکا اور کینیڈا پہنچا جا سکتا ہے۔ یہ خلیج اور ''جزیرۂ عرب'' کی دولت یورپ وامریکا پہنچانے والوں کے لیے انتہائی مختصر راستہ

ہے اور نہایت محفوظ بھی۔ جب سے ''سوویت یونین'' ریزہ ریزہ ہوا ہے اور قدرتی وسائل اور معدنی ذخائر رکھنے والی وسط ایشیا کی ریاستیں آزاد ہوگئی ہیں اور ساری دنیا ان سے تجارتی تعلقات قائم کرنے کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے، اس وقت سے اس سمندری راستے کی اہمیت مزید بڑھ گئی ہے۔

عالمی طاقتوں کے منصوبے اور مسلمانوں کی بے حسی:

اس غیر معمولی اہمیت کی بنا پر یہ خطہ آج کل عالمی طاقتوں کی ہوسِ ملک گیری کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ عالمی اقتصادی ذرائع پر تسلط حاصل کرنے کی حرص رکھنے والی مغربی اقوام اسی وجہ سے یہاں کسی نہ کسی طرح قدم جمانے اور کھونٹے گاڑنے کی کوششوں میں لگی ہوئی ہیں۔ سرد ترین خطوں سے تعلق رکھنے والی یہ گوری چمڑی اور پھیکی رنگت کی اقوام دنیا کے اس گرم ترین علاقے اور جھلسا دینے والے صحراؤں میں یہاں کے باشندوں کی فلاح و بہبود اور تحفظ و حمایت کے لیے نہیں، اپنی معیشت سنوارنے اور اقتصادیات کو ترقی دینے کے لیے موجود ہیں۔ گذشتہ صدی میں صنعتی انقلاب برپا ہونے کے بعد نت نئی ایجادات اور تیز ترین تجارت کے اس دور میں برتری حاصل کرنا اسی کے لیے ممکن ہے جو گرم پانیوں پر قابض ہو۔ ماہرین معاشیات کا اتفاق ہے اقتصادیات کی دوڑ میں دوسروں سے وہی سبقت لے جا سکتا ہے جو سستے ترین ذریعۂ نقل و حمل (یعنی بحری آمد و رفت) کے ذرائع استعمال کر سکتا ہو۔ اس کے بغیر اقوام عالم کے درمیان تجارتی مسابقت کی دوڑ میں بازی لے جانا تو کجا اپنا وجود برقرار رکھنا بھی انتہائی دشوار ہے۔ مسلمانوں کی بدقسمتی ہے وہ دنیا کی اس شہ رگ کے مالک ہونے کے باوجود اس پر خود مختار تسلط برقرار رکھنے اور اسے مسلمانانِ عالم کی فلاح و ترقی کے لیے استعمال کرنے سے محروم ہیں۔ اس میں غیروں کی عیاری سے بڑھ کر اپنوں کی دین سے دوری، دنیا سے محبت، انفاق فی سبیل اللہ سے غفلت، بے تدبیری، عاقبت نااندیشی اور

جنت کی نعمتوں سے دل لگانے کی بجائے دنیا کے عیش وآرام میں مبتلا ہو جانے کا دخل ہے۔

یہودی بنیوں کے ہتھکنڈے

آیئے! دیکھتے ہیں غیر مسلم مغربی اقوام نے کس طرح ان سمندری راستوں اور گزرگاہوں پر دھیرے دھیرے قبضہ جمایا؟ کس طرح انہوں نے مسلمانوں کو عظیم ذرائع آمدنی سے محروم کر کے ان کی دولت کو لوٹا؟ اور کس ہوشیاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہ اس لوٹی ہوئی دولت میں سے چند ٹکے مسلمان ممالک کو سخت شرائط پر قرض بنام امداد دیتے ہیں اور اس کے عوض ان کے دین وایمان کا سودا کرنے کے ساتھ ساتھ دنیوی اعتبار سے بھی ان کو اپنا دست نگر اور محتاج بنا کر رکھتے ہیں۔ آیئے! یہودی بنیوں کے ان ہتھکنڈوں کو سمجھیں، ان کے بچھائے ہوئے دام ہمرنگ زمین سے آگاہ ہوں، اس جذبے کے ساتھ کہ ان شاء اللہ ایک دن ہم ان سود خوروں سے پائی پائی وصول کریں گے۔ ان سے وہ غصب کی ہوئی دولت برآمد کریں گے جو انہوں نے ہماری غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہڑپ کر لی ہے۔ آئندہ ہم ان کے سامنے کشکول پھیلا کر امداد نہیں طلب کریں گے۔ اپنے وسائل کے سہارے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کریں گے۔

عظمتِ رفتہ کی بحالی:

لیکن اے مسلمانو! یہ سب کچھ تمہارے گھڑے ہوئے ترقی کے فارمولوں سے ممکن نہیں۔ جب تک نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگی پر نہیں آتے، تمہارا کوئی منصوبہ کامیاب نہیں ہوسکتا۔ یاد رکھو! اللہ کی مدد محض کانفرنس کرنے اور سیمینار منعقد کرنے سے نہیں اترتی، دین کے لیے جان و مال لگانے سے نازل ہوتی ہے۔ عظمتِ رفتہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو وہ طریقہ اختیار کرو جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے۔ خود ساختہ راستوں پر چلتے رہے تو اسی طرح نشان عبرت بنے رہو گے۔

اسلامی ساحلوں پر قبضے کے لیے مغربی ممالک کی سازشیں

بات ذرا لمبی ہوگئی، لیکن شروع میں لکھا جاچکا ہے یہ تحریر برائے تحقیق نہیں، نہ محض ذہنی عیاشی اور معلومات میں اضافے کے لیے ہے، یہ دعوت وتبلیغ اور جذبۂ ایمانی بیدار کرنے کی غرض سے لکھی جارہی ہے۔ اس لیے اس کو اسی تناظر میں پڑھا جائے۔ ہاں! تو بات اس سازش کی ہورہی تھی جو مغربی ممالک نے اسلامی ممالک کے ساحلوں پر قبضہ جمانے کے لیے کی۔ اس کا آغاز انہوں نے ان مسلم ممالک کے ساتھ سفارتی اور تجارتی روابط بڑھانے سے کیا۔ ان مالدار ممالک کی منڈیوں کو اپنی مصنوعات سے بھر دیا۔ رفتہ رفتہ عسکری امداد اور آلاتِ حرب دینا شروع کیے (لیکن اس شرط پر امریکی اسلحہ کی مکمل نگرانی خود امریکیوں کے ہاتھ میں ہوگی اور ان ہتھیاروں کو صرف دفاع کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ علاوہ ازیں یہ تمام ہتھیار اسرائیل کے خلاف قطعی استعمال نہیں ہوں گے، نیز انہیں کسی اور مسلم ملک کو فروخت نہیں کیا جائے گا) جنگی ساز وسامان دینے کے بعد فوجی مشیر اور تربیت دینے کے لیے ماہرین بھیجے۔ پھر ان حکمرانوں کو اپنی گرفت میں لیا۔ (ہر حکمران کے لیے مختلف انداز اختیار کیا گیا جو واقفانِ حال سے مخفی نہیں، یہاں اس کا ذکر تطویل کا باعث ہوگا) پھر فرضی حملوں کا جن دکھا کر پہلے اپنی محافظ اور خیر خواہ فوجیں اتاریں، بعد ازاں فوجی اڈے قائم کر کے مستقل ڈیرے ڈال دیے۔ یہ سب کچھ یہودی دانشوروں کے ترتیب دیے گئے طویل

المیعاد منصوبے کے تحت ہوا۔ اب صورتحال یہ ہے مسلمانوں کے مقدس ترین خطے، جزیرہ نمائے عرب کے اردگرد، دنیا کے اہم ترین سمندری راستوں اور آبی گزرگاہوں کے ساتھ جو بندرگاہیں اور جزیرے لگتے ہیں، ان سب پر امریکا، برطانیہ یا فرانس میں سے کسی نہ کسی کی فوجی چھاؤنیاں قائم ہیں۔ ان چھاؤنیوں کو سامان کی ترسیل اور بوقتِ ضرورت امداد و کمک پہنچانے کے لیے اس سارے سمندری خطے میں بحری بیڑے اور طیارہ بردار جنگی جہاز گشت کرتے رہتے ہیں، جو بجائے خود چلتی پھرتی چھاؤنیاں ہیں۔ اگلے صفحات میں ان فوجی اڈوں اور ان میں موجود عسکری قوتوں کے متعلق باوثوق ذرائع سے حاصل کردہ مستند اعداد و شمار دیے جاتے ہیں۔ واضح رہے ہماری تمام تر کوشش رہی ہے ان اعداد و شمار کو انتہائی احتیاط اور امکانی حد تک مصدقہ تعداد کے مطابق ظاہر کیا جائے، لیکن چونکہ یہ ممالک اپنی افواج کی اصل تعداد ہمیشہ خفیہ رکھتے ہیں اور عزائم کے کھل جانے کے ڈر سے اپنی نفری اور اسلحے کی صحیح تعداد کبھی ظاہر نہیں کرتے، اس لیے یہ باور کیا جانا چاہیے حقیقی اعداد و شمار اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ چونکہ بری اور فضائی افواج کے علاوہ بحری افواج بھی بہت زیادہ اور حیرت انگیز تعداد کی حامل ہیں، اس لیے بری و فضائی افواج کو الگ اور بحری افواج کو الگ ذکر کیا جاتا ہے۔

جزیرۂ عرب میں غیر مسلم برّی اور فضائی افواج

پہلے لکھا جا چکا ہے جزیرۂ عرب یعنی ارضِ حرمین کے ایک طرف خلیجِ عرب ہے، دوسری طرف بحرِ احمر اور تیسری طرف بحرِ ہند۔ ہم ارضِ مقدس کے اردگرد غیر مسلم افواج کے عسکری اڈوں کی روداد اسی جغرافیائی ترتیب سے قارئین کو سناتے ہیں،[1] اس امید کے ساتھ یہ ان کے دلوں میں دبی ہوئی ایمان وشجاعت کی چنگاری کو شعلہ بنائے گی، جس کی لپک امن دشمن منصوبوں کو جلا کر خاکستر کر ڈالے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(1) کویت میں یہود ونصاریٰ کی فوجی قوت:

خلیج عرب کے شمالی کنارے پر سب سے پہلے کویت واقع ہے۔ یہ چھوٹا سا ملک امریکا، برطانیہ اور فرانس کی ایک طرح سے کالونی بن چکا ہے۔ 16000 سولہ ہزار مربع کلومیٹر کے اس ملک میں صرف امریکا کی چھ ہزار فوج ہے، جو 129 فوجی افسران اور جنگی ماہرین کی سربراہی میں 24 جنگی طیاروں اور 12 جنگی ہیلی کاپٹروں کے ساتھ موجود ہے۔ علاوہ ازیں پاکستان کے ایک ضلع کے برابر اس ملک میں امریکا نے اتنا اسلحہ، ٹینک اور بھاری ہتھیار جمع کر رکھے ہیں جو ایک ڈویژن فوج کے لیے کافی ہیں۔

1- یاد رہے یہ اعداد وشمار پہلی جنگِ خلیج کے دوران انتہائی عرق ریزی سے جمع کیے گئے تھے۔ تازہ ترین اعداد وشمار کے لیے کتاب کے آخر میں دیے گئے نقشے ملاحظہ فرمائیے۔

(Libd,P.145.The Military Balance 1995-96.IISS)

کویت اوران طاقتوں کے درمیان درج ذیل تفصیل کے مطابق فوجی معاہدے بھی ہو چکے ہیں:

برطانیہ: 11.2.92 کو دونوں ملکوں میں یہ معاہدہ ہوا برطانیہ کویت کا دفاع کرے گا۔ برطانیہ کی یہودی وعیسائی افواج کویتی مسلم افواج کا تحفظ کرنے کے ساتھ باہم مل کر مشترکہ جنگی مشقیں کریں گی۔کویت برطانیہ سے اسلحہ وجنگی ساز وسامان خریدے گا۔

11 فروری کے بعد اس قسم کے مزید دو معاہدے ستمبر اور اکتوبر 92ء میں ہوئے۔

فرانس: 18.8.92 کو فرانس سے دس سال کے لیے دفاعی معاہدہ ہوا۔ اکتوبر 93ء کو ایک اور فوجی معاہدہ ہوا جس کی رو سے کویت اسلحہ اور جنگی ساز سامان فرانس سے خریدنے کا پابند ہوا۔

روس: 29.11.1993 کو روس کے ساتھ دس سال کے لیے عسکری تعاون کا معاہدہ ہوا۔

(The International Institute For Strategic Stùdies)

The Military Balance 1992-93, Oxford University

Press, London 1992, P115-117

(2) بلادِ حرمین (سعودی عرب) میں غیر مسلم افواج:

کویت کے بعد سعودی عرب واقع ہے۔ جس میں اللہ جل جلالہ کا گھر اور اس کے آخری رسول ﷺ کا مولد ومسکن ہے۔ حرمین شریفین پر مشتمل اس مقدس خطے میں یہود ونصاریٰ نے اپنی افواج کی بھر مار کر دی ہے۔ تمام جزیرۂ عرب میں چونکہ یہ اہم ترین قطعہ ہے اور اس تحریر کا اصل موضوع بھی یہی ہے، اس لیے ہم یہاں موجود امریکی، برطانوی اور

فرانسیسی افواج کے متعلق قدرے تفصیل سے لکھیں گے۔

مندرجہ ذیل اہم اور حساس نوعیت کے مقامات پر ان کے مستقل اور خود مختار فوجی اڈے ہیں:

(1) دمام (2) حفرالباطن (3) الجوف (4) تبوک

(5) جدہ (جو بیت اللہ سے صرف 45 میل دور ہے)

(6) طائف (جو بیت اللہ سے صرف 54 میل دور ہے)

(7) ریاض (جو دارالحکومت ہے) (8) الخرج

حرمین کے گرد یہودی افواج کا گھیرا:

اگر آپ سعودیہ کے اس نقشے پر ایک نظر ڈالیں جس میں امریکی اڈوں کی نشان دہی کی گئی ہے تو آپ کو احساس ہوگا ان مقامات کو جہاں امریکی افواج کے عسکری مستقر ہیں، ایک دوسرے سے ملا دینے سے ایک پورا دائرہ بن جاتا ہے۔ اس کی حدود میں سعودی عرب کے تمام اہم مقامات آتے ہیں اور یہ پورے سعودیہ کے طول و عرض کو محیط ہے۔ ان میں سے دہران اور جدہ سمندر کے قریب جبکہ باقی مقامات اندرون ملک واقع ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا: حرمین مقدسین کے گرد یہودی افواج نے چوطرفہ گھیرا ڈال رکھا ہے۔ اس کا کوئی حصہ ان کی نگرانی اور موجودگی سے خالی نہیں۔

بلادِ حرمین میں امریکی افواج کی حقیقی تعداد کتنی ہے؟ یہ راز امریکا کے سوا اس دھرتی کے کسی فرد یا حکومت کو معلوم نہیں۔ کیونکہ عملاً سعودی حکومت کا کوئی اختیار باقی نہیں رہا ہے اور معاملہ مکمل طور پر امریکیوں کے ہاتھ میں ہے، لیکن ہم اپنے طور سے حاصل کردہ معلومات کی روشنی میں ارضِ حرمین میں موجود غیر ملکی افواج کے چند اہم جنگی اڈوں کی کچھ تفصیلات درج کرتے ہیں۔ اس سے ان افواج کی حقیقی تعداد کا تخمینہ لگایا جاسکتا ہے۔

امریکا کہتا ہے: سعودیہ میں ہماری افواج کی کل تعداد پانچ ہزار ہے، جو عراقی سرحد پر تعینات ہے۔ فوجی افسران اور جنگی ماہرین 4410 ہیں۔

(The Military Balance 1995-96.IISS)

لیکن امریکیوں کا یہ جھوٹ اس وقت طشت از بام ہوا جب 13.11.1995 کو دار الحکومت ''ریاض'' کے مضافات میں ''علیا'' نامی علاقے میں امریکن چھاؤنی پر بم کا حملہ ہوا، جس میں پانچ امریکی ہلاک اور درجنوں زخمی ہوئے۔ اس وقت بدحواس امریکی حکام یہ کہنے پر مجبور ہوئے: ''ہم اپنی چھ ہزار مسلح فوج کو ''علیا'' سے منتقل کر کے ''ریاض'' سے 80 میل دور جنوب میں واقع مقام ''الخرج'' لے جا رہے ہیں۔'' کہاں پورے سعودیہ میں ساڑھے چار ہزار اور کہاں صرف ایک چھاؤنی میں چھ ہزار!!!

پھر 25.6.96 کو سعودیہ کے ساحلی شہر ''الخبر'' میں ایک اور قیامت خیز دھماکہ ہوا، جس میں انیس امریکی فوجی ہلاک اور چار سو زخمی ہوئے۔ اس وقت دنیا کو امریکی افواج کی اس شہر میں بھی موجودگی کا علم ہوا۔ امریکی ایسے حواس باختہ ہوئے وہ اپنے سابقہ اعلانات بھول گئے اور انہوں نے امریکی عوام کو مطمئن کرنے کے لیے اعلان کیا: ''وہ ''الخبر'' سے چار ہزار دو سو چالیس (4240) امریکی فوجیوں کو ''خرج'' کے محفوظ مقام پر منتقل کر رہے ہیں۔'' (جریدۃ الحیاۃ: 1996-08-11)

اس اعتبار سے صرف ایک ''خرج'' کی فوجی چھاؤنی میں دس ہزار دو سو چالیس (10,240) اور بارہ سو دیگر عملہ موجود ہے۔

امریکیوں کا یہ اعتراف گزر چکا ہے سعودی عرب میں ان کے اعلیٰ درجے کے فوجی افسران اور جنگی ماہرین کی تعداد چار ہزار چار سو دس ہے۔ ایک ایسے ملک میں جس کی اپنی فوج کی کل تعداد ساٹھ ہزار ہو، ساڑھے چار ہزار امریکی فوجی افسران اور جنگی ماہرین کا وجود

نیز صرف ایک چھاؤنی میں دس ہزار سے زائد فوجی، جبکہ ایسی کئی چھاؤنیاں قائم کی گئی ہیں، جس بھیانک صورت حال اور خطرناک رازوں سے پردہ کشائی کر رہا ہے، وہ کسی عقل مند پر مخفی نہیں۔

واضح رہے تادم تحریر سعودی افواج کی کل تعداد ساٹھ سے ستر ہزار کے درمیان ہے۔

(The Military Balance.IISS)

اگر ان پر 4،410 امریکی ماہرین کو تقسیم کیا جائے تو ہر تیرہ یا پندرہ سعودی فوجیوں پر ایک امریکی افسر یا جنگی ماہر مسلط ہے۔ فیا للعجب، و لضیعة الأدب!!!

بلادِ حرمین میں چالیس ہزار غیر فوجی امریکی:

یہ تعداد وہ ہے جسے امریکا خود تسلیم کرتا ہے۔ جزیرۂ عرب کے مقامی معتبر ذرائع کہتے ہیں امریکی افواج کی تعداد سعودی عرب میں ایک لاکھ سے بھی متجاوز ہے۔ واضح رہے اس تعداد میں امریکیوں کے بقول وہ چالیس ہزار امریکی سویلین شامل نہیں جو جدہ، طائف، ریاض، دمام، دہران اور دیگر شہروں میں رہائش پذیر ہیں اور جن کے ساتھ بڑی تعداد فاحشہ عورتوں کی ہے۔ جو بلادِ حرمین کے مبارک ماحول کو فحاشی، عریانی، شراب نوشی اور خنزیر خوری جیسے بے ہودہ کاموں سے مکدر کیے ہوئے ہے۔

امریکی غیر فوجیوں کی یہ تعداد بھی خود امریکیوں کی فراہم کردہ ہے جس کو حتمی قرار دینا بظاہر بہت مشکل ہے، کیونکہ الخبر، دمام، دہران کے علاوہ ریاض، جدہ اور ینبوع کے بعض علاقوں میں امریکی عملے کی بکثرت چلت پھرت ہر شخص ہر وقت دیکھ سکتا ہے۔

جدہ اور طائف:

طائف میں اور جدہ کے جنوب میں امریکی فضائی اڈے ہیں۔ تین سال قبل امریکی فوجیوں کی ایک بس پر گھات لگا کر کیے گئے حملے کے بعد امریکی افواج کے لیے ایک علاقہ

مخصوص کر دیا گیا۔ جہاں سعودی باشندوں کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔ یہاں موجود جنگی طیاروں اور فوجیوں کے صحیح اعداد و شمار نہیں مل سکے، البتہ بحر احمر میں جدہ کے قریب امریکی بحریہ موجود ہے جو دیو ہیکل متعدد بحری بیڑوں پر مشتمل ہے۔ ''کروزر'' اور ''فریگیٹ'' جیسے ایک ایک بحری جہاز پر غیر فوجی عملہ ہی ہزاروں میں ہوتا ہے تو فوجیوں کی تعداد کتنی ہوگی؟ اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حفر الباطن:

عراق کے قریب اس مقام پر بہت بڑا امریکی فوجی اڈہ ہے۔ پہلے لکھا جا چکا ہے ایک مرتبہ امریکی صدر اپنی افواج کے معائنہ کے لیے سعودیہ آیا تو واشنگٹن سے سیدھا یہاں اترا۔ پھر اس نے ریاض کے حاکم سے ملاقات کے لیے اس کے قصر امارت میں جانے کے بجائے اسے حفر الباطن طلب کر کے بتا دیا کہ عملاً یہاں کس کی حکومت ہے؟

تبوک:

غزوہ تبوک کے حوالے سے یہ نام جانا پہچانا ہے۔ جہاں کبھی رسول اللہ ﷺ نے اپنے تیس ہزار جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دس ہزار جنگی گھوڑوں کے ساتھ عیسائیوں سے جنگ کرنے کے لیے بیس روز تک قیام فرمایا تھا، مگر روم کی سلطنت عظمیٰ منہ چھپا کر اپنے بلوں میں دبکی رہی اور ان کو رسول اللہ ﷺ سے مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی، آج وہی مبارک مقام یعنی غزوہ تبوک کی مقدس سرزمین مسلح عیسائیوں اور یہودیوں کی سب سے بڑی چھاؤنی ہے۔ آج یہ غیر مسلم افواج کا ایسا مرکز ہے جہاں کوئی سعودی فوجی جھانک بھی نہیں سکتا۔

حفر الباطن اور تبوک میں کتنے ہزار امریکی ہیں؟ اسلحہ اور جنگی ساز و سامان کی تعداد کیا ہے؟ اس کا ابھی تک علم نہیں ہو سکا، تاہم جب ''الخرج'' میں جو سعودیہ کے وسط میں ہے،

دس ہزار امریکی فوجی ہے تو اس علاقے میں جو عراق اور اسرائیل کی سرحد کے قریب ہے اور جہاں سے اسرائیل کی یہودی حکومت کا تحفظ اچھی طرح ہو سکتا ہے، کتنی تعداد ہوگی؟ اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔

سعودیہ میں امریکی جنگی طیارے:

جیسا کہ پچھلے صفحات میں بتایا جا چکا ہے۔ سعودی عرب میں نصف درجن سے زائد امریکی فضائی اڈے ہیں، لیکن ان میں جنگی طیاروں کی تعداد کتنی ہے؟ اس کا حتمی علم کسی کو نہیں ہے، البتہ امریکیوں کا یہ دعویٰ ہے سعودی عرب میں ہمارے صرف ایک سو تیس جنگی طیارے ہیں۔ (The Military Balance.IISS)

جبکہ وائس آف امریکا کی 6 مئی 1998ء کی اردو نشریات میں امریکی حکومت کا یہ اعتراف نقل کیا گیا: ''خلیج میں اس کے 355 (تین سو پچپن) جنگی طیارے ہیں۔'' درحقیقت اس کا حتمی علم کسی کو نہیں ہے۔ امریکا کے اپنے اعترافات کی روشنی میں یہ اعداد و شمار بھی غلط اور ''دروغ گو را حافظہ نہ باشد'' کا مصداق ہیں۔ تفصیل آئندہ آنے والی ہے۔ ان شاء اللہ۔

سعودیہ میں برطانوی افواج:

امریکا کے بعد مغربی طاقتوں کا سرخیل اور نیو ورلڈ آرڈر کی تکمیل میں اس کا دست راست، انگریز بہادر ہے۔ اس مہربان نے 1948ء میں جس طرح فلسطین یہودیوں کے حوالے کر کے دنیا میں پہلی صہیونی حکومت قائم کی اور مسلمان قبلہ اول سے محروم ہوئے، وہ کوئی ایسی ڈھکی چھپی چیز نہیں۔ ابھی یہ زخم تازہ تھے اور ان سے رستے لہو نے عالم اسلام کو چین نہ لینے دیا تھا کہ یہ قوم خلیج میں اپنے پنجے گاڑنے کے لیے امریکا کی اتحادی اور اس کی مضبوط ترین حلیف بن کر آ نازل ہوئی۔ جزیرۂ عرب میں انگریزوں کی سازشوں اور

استعماری ہتھکنڈوں کی داستان بہت طویل اور قدیم ہے۔ جس کی یہ مختصر تحریر متحمل نہیں ہو سکتی۔ خلافت عثمانیہ کے سقوط اور سرزمین حجاز کو ترکوں سے چھیننے میں ان کا مسلم کش کردار تاریخ سے واقف ہر مسلمان کے صفحہ ذہن پر تا حال ثبت ہے۔ ترک خلافت کی قبا چاک کرنے میں ان کا جو عمل دخل تھا، اس کی ناخوشگوار یادیں ابھی فرزندان اسلام کے ذہن سے محو نہیں ہوئیں۔ عالم اسلام کو اس عظیم سانحہ سے دو چار کرنے کے بعد اب یہ ملک جزیرۂ عرب پر قبضہ جمانے کے منصوبے میں امریکا کا پورا پورا شریک اور حاشیہ بردار ہے اور قبلۂ اوّل ہم سے چھیننے کے بعد بقیہ دو مقدس مقامات کے خلاف گھناؤنے منصوبے لے کر پھر میدان میں آچکا ہے۔ برطانیہ کے اپنے اعتراف کے مطابق صرف سعودیہ میں اس کے آٹھ جنگی طیارے، چالیس فوجی مشیر اور جنگی ماہرین ہیں۔ عام فوج کتنی ہے؟ یہ راز ابھی تک منظر عام پر نہیں آیا۔ (The Military Balance1995/96.IISS)

سعودی عرب کے اردگرد اسلامی سمندروں میں برطانیہ کے دیو ہیکل بحری جہاز الگ ہیں، جن پر عملہ ہی تین تین ہزار ہوتا ہے اور جو خطرناک ہتھیاروں، ٹینکوں اور ہیلی کاپٹروں سے لیس ہیں۔ (The Military Balance1995/96.IISS)

سعودی عرب میں ستائیس ہزار برطانوی:

ریاض میں 95ء-11-31 کو دھماکے کے ایک دن بعد بی بی سی نے کہا: ''برطانوی حکومت کو اپنے ان ستائیس ہزار برطانوی شہریوں کے بارے میں تشویش ہے جو جدہ، طائف، تبوک، ریاض، ینبوع اور دمام میں رہائش پذیر ہیں۔''

سعودیہ و برطانیہ میں تجارتی روابط:

فوجی نوعیت کے تعلقات کے علاوہ سعودیہ سے اس کے تجارتی تعلقات بھی بہت مستحکم ہیں۔ پچھلے سال دونوں ملکوں کے درمیان 32 ارب ڈالر کی تجارت ہوئی۔ (بی بی سی: مئی

1998ء)

اسی طرح سعودی عرب کے تیل کی کل پیداوار کا 11 فیصد برطانیہ لے جاتا ہے۔
(قضایا دولیہ،ص33،شمارہ نمبر 353،1417ھ-6-1)

مسلمانوں کی مقدس سرزمین کے محافظوں کے برطانیہ کے ساتھ بڑھتے ہوئے عسکری اور تجارتی تعلقات و روابط جس خطرناک صورتحال کی نشاندہی کرتے ہیں، انہیں بیان کرنے کی حاجت نہیں۔

مسلمانوں کی یادداشت اس قدر کمزور کیوں؟

جب برطانیہ کی ملکہ الزبتھ جزیرۂ عرب کے دورے پر گئی تو ہمارے عرب بھائیوں نے محترمہ کا نہایت والہانہ استقبال کیا۔ اس پر لندن میں ایک انگریز صحافی نے یوں تبصرہ کیا:

''میں حیران ہوں مسلمانوں کی یادداشت کس قدر کمزور ہے! کیا وہ بھول گئے ہیں وہ اسی ملکہ کے غلام رہے ہیں اور اسی کے دور حکومت میں فلسطین یہودیوں کے حوالے کیا گیا؟''

برطانیہ کا ایک اور ماضی:۔

کاش مسلمان حکمرانوں کو برطانیہ کی کچھ بھی تاریخ یاد ہوتی۔ اس نے عسکری فوجی اڈوں ہی کی بنیاد پر عمان، امارات، بحرین، قطر، کویت، عراق اور اردن پر 1820ء میں قبضہ کیا۔ جنوبی یمن پر 1839ء میں قابض ہوا اور مصر اور سوڈان کو 1882ء میں اپنی قلمرو میں شامل کیا۔ (قضایا دولیہ ص41،شمارہ نمبر 1،1417ھ-6)

یہی وہ قوم ہے جس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ذریعے برصغیر میں مسلمانوں کی پیٹھ میں خنجر گھونپ کر عالم اسلام کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔ اسی نے پہلے مغلیہ سلطنت کا سایہ برصغیر کے مسلمانوں کے سروں سے چھینا، یہاں کی دولت لوٹ لوٹ کر انگلستان پہنچائی۔

مسلمانوں پر بدترین ظلم ڈھائے اور پھر جاتے جاتے تین چوتھائی سے زیادہ ہندوستان ہندوؤں کو دے کر چلے گئے۔

انگریزوں نے چونکہ مسلمانوں پر مدتوں حکومت کی ہے۔ اس لیے وہ مسلمانوں کی نفسیات اور جذبات سے واقف ہیں۔ انگریزوں کی بنسبت امریکی اتنے معاملہ فہم نہیں۔ پھر ان کو مسلمانوں پر حکومت کرنے کا وہ تجربہ نہیں جو انگریزوں کو ہے۔ اس لیے مقاماتِ مقدسہ کے حوالے سے برطانیہ سے نہایت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

سعودیہ میں فرانسیسی فوج:

فرانس وہ ملک ہے جو مسلمانوں کو بدترین نقصان سے دوچار کرتا آیا ہے۔ اس نے سب سے پہلے سقوطِ اندلس کے المناک سانحہ میں عیسائی حملہ آوروں کے بیس کیمپ کا کام دیا۔ پھر صلیبی جنگوں میں غیر مسلم افواج کے ہراول دستے میں شامل رہا۔ پہلی عالمی جنگ میں جب برطانیہ نے عراق، اردن اور فلسطین پر قبضہ کیا تو 1916ء میں فرانس و برطانیہ نے معاہدہ ''سائیکس بیکو'' کے تحت فلسطین میں یہودی وطن کے قیام کا اعلان کیا، پھر 1948ء میں معاہدۂ بالفور کے تحت فلسطین یہودیوں کے حوالے کر دیا گیا۔ موجودہ دور میں یہ ملک اپنی مسلمان دشمنی اور یہودیت نوازی ظاہر نہیں ہونے دیتا، لیکن درپردہ روزِ اوّل سے اس کا جھکاؤ یہودیوں کے جانب رہا ہے۔ 1948ء سے 1969ء تک یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان جتنی بھی جنگیں ہوئیں، فرانس نے کھلم کھلا اسرائیل کا ساتھ دیا۔

فرانس اور عالم اسلام:

مسلمانون کو یاد رکھنا چاہیے فرانس اس سے قبل 1830ء میں الجزائر کو، 1858ء میں موریطانیا کو، 1881ء میں تیونس کو، 1911ء میں مراکش کو، 1882ء میں شام و لبنان کو اپنے قبضے میں لے چکا ہے۔ (قضایا دولیہ صفحہ 41، شمارہ 353، 1417ھ-6-1)

سعودیہ میں اس وقت فرانس کے کئی جنگی طیارے ہیں۔

(The Military Balance1995/96.IISS)

فوجی ماہرین اور افواج کے حتمی تعداد کیا ہے؟ یہ معلوم نہیں لیکن جزیرۂ عرب کے اردگرد سمندر فرانسیسی بحریہ سے اٹے پڑے ہیں۔ جن کی تفصیل آگے آئے گی۔

علاوہ ازیں حرمین شریفین کے ساحل، بحر احمر کے دہانے ''باب المندب'' پر فرانسیسی بحریہ کے علاوہ فرانس کی فضائیہ اور برّی افواج کا بہت بڑا مرکز ہے۔ اس میں فوجی طاقت کے اعداد وشمار تو دستیاب نہیں، لیکن مشرقِ وسطیٰ میں فرانس کا اس سے بڑا برّی، بحری اور فضائی کوئی مرکز نہیں۔ فرانس کے اس مرکز سے امریکی و برطانوی بحریہ وفضائیہ بھی استفادہ کرتی ہیں۔ (حرب الخلیج، محمد حسین ہیکل، صفحہ 209 تا 214)

بحر احمر کے ''باب المندب'' نامی دہانے پر فرانس کے قابض ہونے کا مطلب یہ ہے وہ یمن، سعودی عرب، سوڈان اور مصر و دیگر عرب ممالک کے عسکری، تجارتی مرکز پر قابض ہونے کے علاوہ حرمین شریفین کے خلاف جب چاہے کوئی بھی خطرناک اقدام کرسکتا ہے۔

اہلِ نظر پر یہ بات مخفی نہیں جزیرۂ عرب میں فرانسیسیوں کی موجودگی اور عزائم دیگر مغربی افواج سے کچھ مختلف نہیں۔ جو ملک بیت المقدس پر غاصبانہ قبضہ جمانے میں اسرائیل کا حامی ومددگار رہا ہو، وہ حرمین شریفین کے تحفظ میں کیسے مخلص ہوسکتا ہے؟

فرانس کا بیت اللہ کے خلاف گھناؤنا منصوبہ:

آج سے تقریباً دوسو سال قبل یعنی 1213ھ میں جب فرانسیسی افواج مصر پر حملہ آور ہوئی تھیں، اس وقت سلطنت عثمانیہ کے فرماں روا خلیفۃ المسلمین نے گورنر مکہ سیّد غالب بن مساعد کو فرانسیسیوں کے عزائم سے آگاہ کرتے ہوئے کہا تھا: ان کا اصل ہدف مصر نہیں، حرمین ہے، لہٰذا اہل حرمین کو ابھی سے اپنے تحفظ کا انتظام کرلینا چاہیے۔ یہاں اس خط کا

ترجمہ نقل کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جو سلطان المسلمین نے گورنر مکہ کو لکھا تھا۔ یہ خط علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے اپنی مایہ ناز کتاب ''البدر الطالع'' میں تفصیل سے نقل کیا ہے۔ عثمانی خلیفہ نے لکھا:

''میں آپ کے علم میں یہ بات لانا چاہتا ہوں فرانس کے کفار نے......اللہ ان کے ملک کو تباہ و برباد کرے اور ان کو رسوا و شرمسار کرے......اپنے تمام وعدے اور عہد توڑ دیے ہیں اور جن معاہدوں پر انہوں نے اللہ کو گواہ بنایا تھا، ان سے یکسر مکر گئے ہیں۔ انہوں نے انسانیت اور شرافت کے جامے کو تار تار کرتے ہوئے مصر کے دیہاتوں اور شہروں پر بے خبری میں ہلہ بول دیا ہے۔ جن جگہوں پر انہوں نے قبضہ کیا ہے، وہاں کفر و فساد کا ہنگامہ برپا کررکھا ہے۔ گمراہی اور سرکشی کا بازار گرم کردیا ہے۔ گویا وہ شیطان کے جھنڈے تلے جمع ہیں۔''

تھوڑا آگے چل کر سلطان المسلمین نے فرانسیسی قابضین کے عزائم انہی کی زبانی بیان کیے ہیں۔ یہ عزائم عالمی طاقتوں کے ان منصوبوں سے ملتے جلتے ہیں جو ماضی قریب میں وہ نوآبادیاتی علاقوں میں اپنا تسلط مستحکم کرنے کے لیے بروئے کار لاتے تھے۔ واضح رہے سلطان کے نقل کردہ یہ الفاظ ایک فرانسیسی جنرل کے ہیں جو اس نے اپنے بادشاہ کو رپورٹ میں لکھ کر بھیجے، چنانچہ اپنی رائے پیش کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے:

''ہماری پوری کوشش ہے کسی طرح یہاں کے عوام کو اسلام اور امیر المؤمنین کی اطاعت سے برگشتہ کریں تاکہ یہاں ہماری مکمل عملداری قائم ہوجائے اور یہ سارے کے سارے ہمارے لیے تر نوالہ بن جائیں، کیونکہ اگر ہم اپنے ان مقاصد میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو ان کا شیرازہ بکھر جائے گا اور ان کی اجتماعیت درہم برہم ہوجائے گی۔ یہی وہ وقت ہوگا جب ہم ان پر اور ان کی جائیدادوں اور ساز و سامان پر قبضہ جما سکیں گے۔ عرب وہ قوم ہے جس پر

دو وجہ سے بہت جلدی قبضہ جمایا جا سکتا ہے:

(1) وہ اکھٹے رہنے کے بجائے دور دراز وادیوں اور نخلستانوں میں رہتے ہیں۔

(2) یہ اپنے اجتماعی مقاصد اور سیاسی حالات سے بے خبر ہوتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر جو چیز ان کو تتر بتر، پست حوصلہ اور کم ہمت بنائے گی وہ یہ کہ ان کا قبلہ گرادیا جائے (معاذ اللہ) اور ان کی مساجد جلادی جائیں۔ اگر ہم کسی طرح یہ کام کرلیں ان کا کعبہ اور ان کے نبی کی مسجد اور بیت المقدس کو ڈھادیں (کفار کی کمینگی سے اللہ کی پناہ! راقم) تو ان کی امیدیں دم توڑ جائیں گی، ان کی جمعیت منتشر ہو جائے گی اور ان ہم ان پر بآسانی قبضہ جمالیں گے۔''

فرانسیسی جنرل کی یہ رپورٹ نقل کرنے اور ان کے در پردہ خفیہ ارادوں سے گورنر مکہ کو آگاہ کرنے کے بعد آخر میں سلطان المسلمین اہل حرمین کو جہاد پر ابھارنے، بیدار و ہوشیار رہنے اور اپنے آس پاس نظر رکھنے کی تاکید کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''پس اے گورنر مکہ! اے عالی نسل خاندان کے فرزندو! اے اسلام اور مسلمانوں کے رہنماؤ! اے گھمسان کی جنگوں میں یادگار کارنامے انجام دینے والو! اے غازیو، بہادرو اور جوانمردو! اے دین اور شعائر دین کی حفاظت کے لیے مر مٹنے والو! اپنے آہنی عزم سے کفر کے طوفانوں کا منہ موڑ دینے والو! اے ہماری دینی بھائیو اور اپنے رب کے دین کے تحفظ کے لیے جان کی بازی لگا دینے والو! جلدی کرو اپنے رب کی اطاعت میں، جلدی کرو اپنے قبلہ کی حفاظت اور اپنے نبی کے مولد و مسکن کے دفاع میں۔ یہی غیرت میں آنے کا وقت ہے۔ یہی دین کے دشمن کے مقابلے میں حمیت دکھانے کا وقت ہے، پس ان کا سامنا کرنے کے لیے اپنے ارادوں کو پختہ کرو۔ اپنے ساحلوں اور داخلی راستوں کی حفاظت کرو۔ کفار سے ملنے والی سرحدوں کی سخت نگرانی کرو۔ خصوصاً جدہ اور ینبوع کی بندرگاہوں اور آس

پاس کے علاقوں کی کڑی نگرانی کرو، تاکہ اسلام اور مسلمانوں کی عزت کی حفاظت کر سکو۔"

(امام شوکانی، البدر الطالع: ج 2، ص 10 تا 31)

حرمین شریفین پر منڈلاتے خطرے:

قارئین کرام! آپ نے فرانسیسی جنرل کے ارادوں کو پڑھا۔ سلطان المسلمین نے فرانسیسی استعمار کے پیچھے چھپے ہوئے جن خطرناک عزائم کی اپنی مومنانہ فراست کے ذریعے نشاندہی کی، آپ نے ان کی صداقت وحقانیت کو ملاحظہ فرمایا۔ خلیج میں غیر مسلم افواج کی موجودگی سے جو خطرات حرمین مقدسین پر منڈلا رہے ہیں، ان کا کچھ احساس اب مسلمانوں کو ہو جانا چاہیے۔ اب ان کو غفلت کی چادر اتار پھینکنے اور غیرت وحمیت کی روح بیدار کر لینے کا فیصلہ کر لینا چاہیے۔ اب محض دعاؤں سے کچھ نہ ہوگا۔ خدائے بزرگ و برتر ہم جیسے کاہل الوجود اور ناکارہ لوگوں کے لیے اپنا قانون نہیں بدل سکتا۔ اس کا قانون ہے کہ وہ ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی حالت بدلنے اور کوتاہیوں کا ازالہ کرنے کا عزم کر لیتے ہیں اور جو بزدلی، حماقت اور غفلت ترک نہ کریں، ان کے لیے اس کے پاس غضب وعذاب ہے، رحمت وانعام نہیں۔

(3) بحرین:

سعودیہ کے بعد بحرین واقع ہے۔ اس ملک کا کل رقبہ 268 مربع میل اور یہاں کی بری، بحری، فضائی کل افواج دس ہزار دوسو ہے۔ فضائیہ کے پاس صرف چوبیس طیارے ہیں۔ مگر پاکستان کے ایک ضلع کے برابر اس چھوٹی سے ریاست میں امریکی اعتراف کے مطابق امریکا کے اٹھارہ (18) جنگی طیارے، چھ سو (600) فوجی مشیر و جنگی ماہرین (یعنی اعلیٰ عہدے کے افسران) موجود ہیں۔ جبکہ خلیج میں امریکی بحری افواج کا مرکز بھی یہی ہے۔ 80 سے 90 جنگی طیاروں پر مشتمل امریکا کا سب سے بڑا طیارہ بردار بحری جہاز

بحرین کے جنوبی ساحل ''جفیر'' نامی بندرگاہ پر لنگر انداز ہے۔

(The Military Balance1995/96.IISS)

اسی طیارہ بردار بحری جہاز پر عملہ ہی ساڑھے پانچ ہزار سے زائد ہوتا ہے۔

(Modren war ships PP 132)

یہاں برطانوی افواج کتنی ہیں؟ یہ ہمیں اب تک معلوم نہیں ہو سکا، البتہ اتنی بات طے شدہ ہے جفیر کی بندرگاہ برطانوی بحری افواج کے زیر استعمال بھی رہتی ہے۔ (قضایادولیہ، شمارہ نمبر 353)

(4) قطر:

بحرین سے متصل قطر ہے۔ اس ملک کا کل رقبہ 11437 مربع کلو میٹر ہے۔ بری افواج 8500، بحری 800 اور فضائی 1800 ہیں۔ جبکہ امریکا کی بری افواج خود امریکیوں کے بیان کے مطابق پانچ ہزار ہے۔ قطر کی فضائیہ کے پاس صرف بارہ (12) جنگی طیارے ہیں، جبکہ امریکی فضائیہ کے قطر میں چونتیس (34) طیارے ہیں۔ علاوہ ازیں قطر کی بندرگاہوں پر ہزاروں امریکی فوجی دیکھے جا سکتے ہیں۔

(قضایادولیہ: شمارہ نمبر 353)

نیز امریکا نے ایک مکمل بریگیڈ کے لیے ٹینکوں، بھاری توپوں سمیت تمام جنگی ساز و سامان بھی قطر میں جمع کر رکھا ہے، تاکہ بوقت ضرورت مزید فوجیوں کو امریکا سے یہاں منتقل کر کے ان کو فی الفور لیس کیا جا سکے۔ حال ہی میں خبر آئی ہے امریکا نے قطر میں خلیج کے سب سے بڑے ہوائی اڈہ کی تعمیر مکمل کر لی ہے، جس کے ذریعے وہ آبنائے ہرمز، سارے بحیرہ عرب اور اس کے کنارے واقع ممالک خصوصاً افغانستان پر نظر رکھے گا۔

و اللّٰہ العاصم من جمیع الشرور و الفتن.

(5)امارات:

امارات میں امریکا کے ایک سو بیس (120) فوجی مشیر اور جنگی ماہرین ہیں، جبکہ عام فوجیوں کے متعلق امریکا کہتا ہے کہ ہمارے یہاں صرف ساٹھ فوجی ہیں۔

(The Military Balance1995/96.IISS)

اس سے بڑی غلط بیانی دنیا میں ہو سکتی ہے؟ کیا کسی فوج میں ایک سپاہی پر دو افسر مقرر ہوئے ہیں؟ امریکا کی طرف سے اپنی اصل حربی قوت چھپانے کی مسلسل کوشش ان خطرات اور اندیشوں کی تصدیق کرتی ہے جن کی طرف مسلم زعما توجہ دلا رہے ہیں۔

(6)عمان:

یہ ملک ایک طرف تو اسرائیل سے کھلم کھلا روابط بڑھا رہا ہے، دوسری طرف جزیرۂ عرب میں جنگی، اقتصادی، سیاسی اور اہم جغرافیائی حیثیت رکھنے کی وجہ سے یہ ریاست امریکا، برطانیہ اور فرانس کے لیے جنت بنی ہوئی ہے۔ خلیج عرب میں موجود دنیا کے پچھتر فیصد پیٹرول کے ذخیرے تک پہنچنے کا دروازہ ''ابنائے ہرمز'' نامی سمندری درّہ بھی عمان کے کنارے واقع ہے۔ اس لیے یہاں عالمی طاقتوں کی افواج کی تعداد خطرے کے نشان سے متجاوز ہو چکی ہے۔ عمان نے امریکا کو مصیرہ، مطرح اور ہرمز کے کنارے خصب میں چار فضائی اڈے عطا کر رکھے ہیں۔ علاوہ ازیں یہاں یہود و نصاریٰ کی بحری افواج اور دیو ہیکل بحری جہازوں کا بہت بڑا بیڑہ ہے جو ہمارے وطن عزیز پاکستان کے لیے بھی بہت بڑا خطرہ بن چکا ہے۔ امریکی بحری جہاز اور جنگی طیارے معتبر شہادتوں کے مطابق پاکستان کی بحری اور فضائی حدود کی مسلسل نگرانی اور خلاف ورزی کر رہے ہیں۔

عمان میں برطانیہ کے چھ سو (600) اور امریکا کے سات سو فوجی ماہرین اور جنگی مشیر ہیں۔(The Military Balance1995/96.IISS)

(7) یمن:

عمان سے گزر کر آگے یمن آتا ہے۔ گذشتہ دنوں عالمی ذرائع ابلاغ میں خبر آچکی ہے حکومت یمن نے بحر ہند میں واقع فوجی اہمیت کے جزیرہ ''سوقطرہ'' کو امریکیوں کے حوالے کر دیا ہے۔ اس جزیرے سے پورے خلیج عدن کی نگرانی کی جا سکتی ہے، بلکہ اب تازہ ترین اطلاعات کے مطابق حکومتِ یمن نے چند مراعات کے عوض خود عدن میں امریکی د برطانوی افواج کو عسکری مستقر بنانے کی اجازت دے دی ہے۔ یہ مصدقہ خبر اس خطے میں مغربی طاقتوں کے توسیع پسندانہ عزائم کو سمجھنے کے لیے کھلی دلیل ہے، بشرطیکہ سوچنے والے دماغ اور سمجھنے والے دل ہوں۔

(8) بحر احمر کے کنارے واقع دیگر ممالک:

عدن کی بندرگاہ کے ساتھ ہی ''باب المندب'' ہے۔ یہ گویا خلیج احمر کا دروازہ ہے۔ بحر احمر یہاں سے شروع ہو کر نہر سوئز تک جاتا ہے۔ اس کے دائیں کنارے یمن اور سعودیہ اور بائیں کنارے براعظم افریقہ کے یہ ممالک بالترتیب واقع ہیں: جبوتی، اریٹیریا، سوڈان اور مصر۔ چونکہ دائیں کنارے پر مسلمانوں کے مقدس مقامات ہیں اس لیے خلافت عثمانیہ کے زمانے میں کسی غیر مسلم کو باب المندب سے آگے داخلے کی اجازت نہ تھی۔ غیر مسلم کشتیاں اور جہاز یہاں اپنا مال اتار دیتے تھے۔ اس سے آگے بحری عملہ یہ مال ٹیکس لے کر بحر احمر کے دوسرے کنارے پہنچاتا تھا۔ عثمانی سلاطین نے اس سمندری ٹکڑے کو غیر مسلموں کے لیے ممنوع قرار دیا ہوا تھا۔ وہ مسلمانوں کی غیرت و حمیت اور عروج کا دور تھا اور اب حماقت، بزدلی اور انحطاط کا یہ عالم ہے اس پوری سمندری پٹی میں جگہ جگہ امریکا اور اس کے اتحادیوں کے جنگی اڈے اور بحری جہاز موجود ہیں۔ جو بلا کسی روک ٹوک کے آزادانہ گھومتے پھرتے ہیں۔ ان سے کسی مقامی ملک کا عہدیدار پوچھ گچھ نہیں کر سکتا۔ یہ ایک طرح سے یہاں کے

خودمختار حاکم اورنگران ہیں۔ ہر گزرنے والا جہاز ان کو اطمینان دلا کر اور ان سے اجازت لے کر ہی یہاں سے گزر سکتا ہے۔ یمن کی بندرگاہ عدن سے گزر کر ایک تنگ درّہ آتا ہے جس کے کنارے پر جبوتی نامی ملک واقع ہے۔ یہاں فرانس کا بہت بڑا فضائی مستقر موجود ہے۔ جس سے برطانیہ اور امریکا استفادہ کرتے ہیں۔ جبوتی کے عقب میں صومالیہ ہے۔ وہی صومالیہ جہاں امریکی فوج بڑے طمطراق سے اتری تھی، لیکن خفت اور شرمندگی سے دو چار ہو کر نکلی۔ جب کچھ امریکی فوجی مارے گئے اور صومالیوں نے ان کی لاشیں سڑکوں پر گھسیٹیں اور ٹیلی وژن پر یہ منظر امریکی عوام نے دیکھا، تو امریکی ماؤں کو اپنے شیر دل سپوت اور بہادر امریکی فوجیوں کو اپنی مائیں یاد آنے لگیں۔ وہی مائیں جن سے بالغ ہوتے ہی وہ جدا ہو جاتے ہیں اور جن کو بوڑھا ہونے پر وہ اولڈ ہاؤس میں چھوڑ آتے ہیں، ان کی یاد انہیں ستانے لگی۔ پہلے انہوں نے پاکستانی فوجیوں کو اپنے حفاظت کے لیے بلایا۔ کیا قارئین کو معلوم ہے اتنی بڑی عسکری قوتوں کے ہوتے ہوئے بھی پاکستانی فوجیوں کو کیوں بلایا گیا؟ محض اس لیے کہ مجاہدین باطل کے خلاف برسرپیکار ہیں۔ وہ اپنے مسلمان بھائیوں پر کبھی گولی نہیں چلائیں گے۔ اس لیے مسلمان فوجیوں کی موجودگی امریکیوں کو مضبوط حصار فراہم کرتی ہے۔ قصہ مختصر، چند ہی لاشیں گرنے پر امریکی بصد سامان رسوائی صومالیہ سے نکل گئے۔ اب صومالیہ کے قریب ایتھوپیا کے عیسائیوں کو مالی و فوجی امداد فراہم کر کے وہاں اپنے لیے فوجی اڈے قائم کر رہے ہیں۔[1] اس سے قارئین کی سمجھ میں آ گیا ہو گا امریکا براعظم افریقہ کے اس دور افتادہ اور قحط زدہ ملک میں کیا کرنے گیا تھا؟ محض اپنے مفادات کا تحفظ اور بحر احمر کے دروازے پر اپنی موجودگی کو یقینی بنانے کے لیے۔

1- یہ تحریر 2000ء کی ہے۔ اب سوڈان کو شمالی و جنوبی سوڈان میں تقسیم کر کے مستقل عیسائی ریاست بنالیا گیا ہے۔

(۶) جزیرہ حنیش اور دھلک:

بنبوتی سے آگے بحر احمر کے وسط میں ''حنیش'' نامی جزیرہ ہے۔ جس پر اریٹریا کے عیسائی قابض ہیں۔ حنیش سے کچھ فاصلے پر دوسرا جزیرہ ''دھلک'' ہے۔ یہاں اریٹیریا کے یہودی امریکا و اسرائیل کی مدد سے قابض ہیں۔ گویا راستے میں پڑنے والا ایک جزیرہ امریکا نے عیسائیوں کو دیا ہوا ہے دوسرا یہودیوں کو۔ آگے اریٹیریا سے متصل سوڈان ہے۔ یہ چونکہ اسلامی مملکت ہے اس لیے یہاں امریکا کو اپنے قدم جمانے میں کوئی خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوسکی، لیکن اس کی کوشش مسلسل جاری ہے۔ ایتھوپیا سے متصل شمالی سوڈان میں رہائش پذیر عیسائیوں کے ذریعے شورش برپا کر کے یا سوڈان کے معاشی مسائل اور مجبوریوں سے فائدہ اُٹھا کر کسی طرح یہاں اپنے لیے جگہ بنالے۔ اس بارے میں وقتاً فوقتاً اپنی مخصوص چالوں کے تحت مختلف اقدامات کرتا رہتا ہے جس کی نشاندہی ان خبروں سے ہوتی ہے جسے عالمی ذرائع ابلاغ نشر کرتے رہتے ہیں۔ سوڈان نے تو امریکا کے عزائم کی تکمیل میں آلہ کار بننے سے انکار کر دیا ہے، لیکن اس کی کمی امریکا ایک تو ان دیوہیکل بحری جنگی جہازوں کے ذریعے پورا کرتا ہے جو سوڈان کے ساحل سے کچھ فاصلہ پر مسلسل گشت کرتے رہتے ہیں۔ دوسرے اپنے ان اڈوں سے جو سوڈان کے بالمقابل سرزمین عرب میں واقع ہیں۔ ان میں پہلے جدہ ہے اور پھر طائف۔ یہ بات بڑی حیرتناک ہے سوڈان نے باوجود قحط سالی اور معاشی زبوں حالی کے امریکا سے سمجھوتہ نہیں کیا، جبکہ دوسری طرف ہمارے سعودی بھائیوں نے دنیا کی تمام تر سہولتوں کے باوجود سرزمین حرمین شریفین کے اہم مقامات میں امریکا، برطانیہ اور فرانس کو عسکری مراکز بنانے کی اجازت دے دی ہے۔ کویت اور مشرقی سعودی عرب پر تو چلیں عراق کے حملے کا خطرہ تھا۔ جدہ اور ینبوع کی بندرگاہیں عراق کی سرحد سے سینکڑوں میل دور دوسری جانب واقع ہیں۔ یہاں نہ صدر صدام شہید ہے نہ اس کی ہیپلز آرمی، یہاں

تو گہرا سمندر ہے جس کے پار برادر اسلامی ملک سوڈان ہے، جس سے کسی کو کوئی خطرہ نہیں۔ یہاں کس لیے غیر مسلم افواج کو مرکز بنانے کی اجازت دی گئی ہے۔ ستم ظریفی ہے وہی سمندر جس میں عثمانی خلفا کسی غیر مسلم کو داخل نہیں ہونے دیتے تھے۔ اس میں غیر مسلم فوج در فوج جدید ترین اسلحے اور کثیر عسکری قوت کے ساتھ ایک مسلمان کی حملے سے دوسرے مسلمان کی حفاظت کرنے کے لیے آئے ہوئے ہیں!!! اگر ماتم جائز ہوتا تو حق تھا اس سانحے پر کیا جاتا۔

(10) مصر:

سوڈان سے آگے مصر ہے، جو اس وقت بدقسمتی سے سارے براعظم افریقہ میں امریکا کے مفادات کا سب سے بڑا حامی بنا ہوا ہے۔ یہاں ''ینبوع'' کے بالمقابل ''بنیاس'' میں وسیع و عریض اور مکمل فوجی اڈہ ہے۔ بعض معتبر ذرائع دعوی کرتے ہیں یہاں دس ہزار امریکی فوجی ہیں۔ اس جنگی و فضائی اڈے سے مدینۃ الرسول ﷺ بہت قریب ہے۔ بنیاس سے آگے نہرِ سوئز سے قریب وادی ''قنا'' میں فضائی مستقر ہے۔ جسے عسکری امور کے ماہرین حربی اعتبار سے جہت اہم مقام قرار دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ قاہرہ کے مغرب میں ایک ہوائی اڈہ امریکی فوجوں کے زیر استعمال ہے۔ نہرِ سوئز کے اس پار صحرائے سینا ہے۔ اس میں بہت بڑا جنگی اڈہ ہے۔ مصدقہ اطلاعات کے مطابق یہاں حکومتِ مصر کا ایک بھی فوجی یا عہدیدار نہیں۔ اس اڈے کے دو اہم مقاصد ہیں: ایک تو نہرِ سوئز کی کثیر المقاصد گزر گاہ کو محفوظ بنانا، دوسرے اس صحرا سے متصل اسرائیل کی حفاظت۔ اس پر ایک مفصل مضمون ان شاء اللہ آنے والا ہے۔

(11) اردن:

صحرائے سینا کے دائیں طرف اردن ہے۔ امریکا نے اس کو بھی اپنے وجودِ نا مسعود

سے مکدر کرنا ضروری سمجھا۔ یہاں ''ارزق'' نامی مقام پر امریکیوں نے فوجی اڈہ حاصل کیا ہوا ہے۔

(12) اسرائیل:

اردن کے بعد اسرائیل آتا ہے۔ اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہاں عالمی طاقتوں نے کیا کچھ جمع نہیں کر رکھا۔ یہاں امریکا کے کئی فوجی اڈے ہیں جن میں سب سے بڑا اور اہم ''حیفا'' میں واقع ہے۔ اس کے بعد دوسرا بڑا اڈہ ''تل ابیب'' میں واقع ہے۔

(13) ترکی:

اسرائیل سے گزر کر آگے چلتے ہیں۔ جزیرۂ عرب کے گرد پھیلائے جانے والے جال کا اگلا کھونٹا ترکی میں ہے۔ جہاں دو اہم فضائی اڈے مکمل طور پر امریکا کی دسترس میں ہیں۔ اس کے علاوہ کئی ہزار فوجی اور محتاط اندازے کے مطابق چالیس جدید ترین جنگی طیارے ہیں۔ جن میں مشہور زمانہ ایف سولہ طیاروں کا بیڑا بھی شامل ہے۔

جزیرۂ عرب کے ارد گرد غیر مسلم بحری افواج

قارئین کرام! بری اور فضائی افواج کی تفصیل تو آپ نے پڑھی۔ اتنی کثیر تعداد میں زمینی اور فضائی عسکری قوتوں کی موجودگی کے باوجود جب ہم جزیرۂ عرب کے تین اطراف پھیلے ہوئے پانیوں میں غیر مسلم طاقتوں کی بحری افواج کو دیکھتے ہیں تو حیرت کا شدید جھٹکا لگتا ہے۔ جا بجا پھیلے ہوئے مختلف اقسام کے عظیم الجثہ چھوٹے بڑے جنگی جہازوں، بحری بیڑوں اور طیارہ بردار جہازوں کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے ان رحم دل ممالک نے اپنی بحری افواج کی تشکیل ہی اس مقصد کے لیے کی تھی کہ وہ ان کی ذریعے عالم اسلام کے قلب کی موہوم خطروں سے حفاظت کا فریضہ سرانجام دیں۔ درحقیقت وہ اس بہانے جزیرۂ عرب اور اس میں واقع مسلمانوں کے سب سے مقدس ترین مقامات حرمِ مکّہ وحرمِ مدینہ کا محاصرہ کر کے ایک طرف دونوں ہاتھوں سے وہاں کی دولت کو لوٹ رہے ہیں، دوسری طرف حرمین شریفین کے خلاف یہود ونصاریٰ کے ہولناک منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے سرگرم ہیں۔

اسلامی سمندروں میں غیر مسلم فوجی مراکز:

(1) کویت کی بندرگاہ (کویت)

(2) دمام کی بندرگاہ (سعودیہ)

(3) جفیر کی بندرگاہ (بحرین)

(4) مسقط کی بندرگاہ (عمان)

(5) باب المندب کی بندرگاہ (جبوتی)

(6) جدہ کی بندرگاہ (سعودی عرب)

(7) خصب کی بندرگاہ (ھرمز، عمان)

(8) جزیرہ مصیرہ کی بندرگاہ (عمان)

(9) بنیاس کی بندرگاہ (مصر)

(10) ایلات کی بندرگاہ (مقبوضہ فلسطین)

(11) اسکندریہ کی بندرگاہ (مصر)

(12) حیفا کی بندرگاہ (مقبوضہ فلسطین)

ان کے علاوہ چھوٹے چھوٹے مراکز اور ایسے بحری اڈے جہاں یہ بضرورت و بلا ضرورت جب چاہیں قیام کرتے ہیں یا کر سکتے ہیں، درجن سے زائد ہیں۔

خلیج عربی، خلیج عمان، بحر العرب یا بحر ہند، خلیج عدن، بحر احمر، خلیج عقبہ، نہرِ سوئز اور بحر متوسط یا بحر روم میں امریکا، فرانس اور برطانیہ کی بحری افواج شمار سے باہر ہیں۔ ہم یہاں جو معلومات درج کر رہے ہیں وہ خود ان ممالک کی بیان کردہ ہیں جن پر قطعاً بھروسہ نہیں کیا جا سکتا اور اگر صرف یہی ہوں تب بھی کیا یہ معمولی سانحہ ہوگا؟ کیا ارضِ حرمین کے چاروں طرف غیر مسلم فوجوں کے اتنے بڑے اِکٹھ پر امتِ مسلمہ خاموش رہ سکتی ہے؟ اگر یہ افواج خود حکمرانوں نے بلائی ہوں تو بھی عالم اسلام اس پر چپ نہیں رہ سکتا۔ کیا سویت یونین کی افواج افغان صدر نور محمد ترہ کئی نے نہیں بلائی تھیں؟ کیا حرمین شریفین کی حیثیت افغانستان سے بھی کم ہے۔ وہاں حملہ آور افواج کے مقابلے میں سارا عالم اسلام کمر باندھ کر اُٹھ کھڑا ہو اور یہاں غیر ملکی فوجیں دندناتی پھریں اور مسلمان طرح طرح کی تاویلوں اور خوش فہمیوں میں وقت گزارتے چلے جائیں۔

یہود و نصاریٰ کی بحری قوت کے اعداد و شمار:

اس وقت جزیرۂ عرب کے اطراف میں امریکا، برطانیہ اور فرانس کے اسی (80) سے زائد دیوہیکل جنگی بحری جہاز ہمہ وقت موجود ہیں جن میں دنیا کے تین مشہور طیارہ بردار Air Craft Carrier بحری جہاز شامل ہیں۔ صرف ان تین بحری جہازوں پر دو سو پچاس (250) لڑاکا طیارے موجود ہیں۔ باخبر ذرائع کے مطابق یہ بحری افواج نہ صرف کسی کو جواب دہ نہیں، بلکہ وہ ان اسلامی سمندروں کو اپنی ملکیت سمجھتے ہیں۔ ان کی منشا اور اجازت کے بغیر کوئی بحری جہاز حرکت نہیں کرسکتا۔ اسلامی ملک سوڈان کے بحری جہازوں کو بھی تلاشی کے بغیر نہیں گزرنے دیا جاتا۔ علاوہ ازیں خود جزیرۂ عرب کی حکومتوں کے جس جہاز کا دل چاہیں، تلاشی لینا اپنا حق سمجھتے ہیں۔

امریکا کا بحری بیڑہ نمبر 5:

یہ امریکی بحری بیڑہ خلیج عربی سے خلیج عمان، خلیج عدن اور بحر احمر تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ دنیا کے دو بڑے طیارہ بردار بحری جہازوں اور دیگر تینتیس (33) بڑے بحری جہازوں پر مشتمل ہے۔ جس میں کروزر (Cruisier)، بیٹل شپ (Battle Ship)، فریگیٹ (Frigate) اور ڈسٹرویر (Destroyer) جیسے جدید بحری جہاز بھی ہیں۔ نیوی کے ماہرین بخوبی جانتے ہیں ان بڑے بڑے جنگی جہازوں پر عملہ ہی ہزاروں میں ہوتا ہے۔ 2 مئی 1998ء کو خود امریکی ریڈیو نے اعلان کیا: خلیج میں 37 ہزار امریکی افواج موجود ہیں۔

ابرہہ کے ہاتھی:

سوائے مسلمانو! یہ ہے اس ہوش ربا اور ہولناک داستان، جس کو بیان کرتے ہوئے دل خون کے آنسو روتا اور کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ اس خونچکاں داستان کو ایک بار پھر پڑھو اور فیصلہ کرو اپنی زندگی تبدیل کر کے دنیا و آخرت میں سرخ رو ہوتے ہو یا اپنی بداعمالیوں اور دنیا

کی محبت میں مست رہتے ہوئے عذاب الٰہی کا شکار بنتے ہو۔ یادرکھو! یہ بات تو طے ہے ساری دنیا کے ابرہے مل کر بھی ایڑی چوٹی کا زور لگائیں تو حرمین شریفین کا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ جس طرح کل کا ابرہہ رسوا ہو کر ذلت کی موت مرا تھا، آج کے ابرہے بھی اسی عبرتناک انجام دوچار ہوں گے۔ جو خدا ابابیلوں کے ذریعے ہاتھیوں کو ہلاک کروا سکتا ہے، وہ حرمین کی طرف بری نیت سے دیکھنے والی سپر پاورز کو بھی تباہ و برباد کروا سکتا ہے۔ مسئلہ تو تمہارا ہے۔ تم حرمین کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے اللہ کے انعامات سے سرفراز ہوتے ہو یا دنیا کی رنگینیوں میں گم رہتے ہوئے اور بزدلی کی چادر میں منہ چھپاتے ہوئے خدا کی پکڑ اور اس کے غضب کا نشانہ بنتے ہو؟ ہم اپنا رونا رو کر اور فرض ادا کر کے فیصلہ تم پر چھوڑ دیتے ہیں۔

عالم اسلام میں واقع دنیا کے چھ اہم سمندری درّوں پر غیروں کا تسلط

سفید پوش لٹیرے:

براعظم افریقہ، براعظم یورپ اور براعظم ایشیا کے تمام اہم سمندری درّے یا گھاٹیاں عالم اسلام میں واقع ہیں، لیکن انتہائی تعجب اور حیرت کا مقام ہے ان تمام ہی جگہوں پر غیر مسلم قابض ہیں۔ یہ وہ جگہیں ہیں جو عالمی تجارت اور بین الاقوامی اقتصادیات کے لیے شہہ رگ اور عسکری دفاعی نقطۂ نظر سے اہم مورچوں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہی وہ گزرگاہیں ہیں جہاں سے غیر مسلموں کو عالم اسلام میں فوجی مداخلت کا موقع مل رہا ہے اور یہیں سے بین الاقوامی سفید پوش لٹیرے مسلمانوں کی دولت لوٹ لوٹ کر اپنے گھروں کو لے جا رہے ہیں اور اس دولت کے ذریعے دنیا بھر کے مسلمانوں پر ظلم وستم ڈھا رہے ہیں۔ کتاب کے آخر میں دیے گئے نقشے میں وہ چھ اہم سمندری درّے دکھائے گئے ہیں جن پر مختلف عالمی طاقتوں نے تسلط حاصل کر رکھا ہے۔ یہ درّے بالترتیب عالم اسلام کے ان ممالک کی سمندری حدود میں آتے ہیں: عمان، یمن، مصر، ترکی، تیونس اور مراکش۔ لیکن ان سب پر امریکا، برطانیہ اور فرانس میں سے کسی ایک کا تسلط ہے۔ ان درّوں کا نام اور دیگر تفصیل یہ ہے:

(1) درّۂ ہرمز: یہ خلیج عرب کے دہانے پر عمان سے متصل واقع ہے۔ خلیج سے نکلنے والا

کوئی بھی جہاز اس کو عبور کیے بغیر بحر ہند میں داخل نہیں ہوسکتا۔ خلیج سے لوٹی ہوئی تیل کی دولت اسی راستے سے باہر لے جائی جاتی ہے۔ اس تنگ سمندری راستے کی اہمیت کے پیش نظر یہاں امریکا، برطانیہ اور فرانس تینوں ممالک نے ڈیرے جمائے ہوئے ہیں۔

(2) باب المندب: یہ دنیا کے سمندروں کی شہ رگ ''بحرِ احمر'' کے دہانے پر واقع ہے۔ یہاں کی رکھوالی کے لیے فرانس نے اپنا اڈہ قائم کر رکھا ہے۔

(3) نہرِ سوئز: مصر میں واقع یہ نہر انسانی ہاتھوں کی بنائی ہوئی ہے جو بحرِ احمر اور بحیرۂ روم کے درمیان کی خشک پٹی کو کھود کر نکالی گئی ہے۔ اگر یہ نہر مسلمانوں کے زیر انتظام ہو تو یورپ اور امریکا جانے والے جہاز کو سینکڑوں میل کا اضافی فاصلہ طے کرنا پڑے، لیکن شامتِ اعمال ہے یہ نہر بھی عملاً فرانس کے قبضے میں ہے۔

نہر سوئز سے آگے گزر کر بحرِ روم میں داخل ہوں تو تیونس کے ساحل پر واقع ''درّہ راس الطیب'' یہ درّہ بھی امریکا کے قبضے میں ہے۔ اس کے دوسری طرف صقلیہ کے جزائر ہیں۔ جزائر مالٹا بھی اس کے قریب ہیں۔ جہاں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہ نے انگریزی استعمار کے خلاف جدوجہد کی پاداش میں اسیری کے دن کاٹے تھے۔

(4) درّۂ جبل طارق: یہ وہی شہرہ آفاق تنگ درّہ ہے جس سے گزر کر فاتح اندلس طارق بن زیاد نے یورپ میں اسلام کا پرچم بلند کیا تھا۔ یہ مراکش اور اسپین کے درمیان واقع ہے۔ اسپین کی جانب وہی ساحل ہے جہاں لشکر اسلام نے کشتیاں جلا ڈالی تھیں۔ ان اولو العزم مسلمانوں کی اولاد کی دنیا پرستی اور اجتماعی مفاد سے غفلت کا نتیجہ ہے اس کے ایک طرف برطانیہ اور دوسری طرف امریکا نے آبدوزیں کھڑی کر کے اس پر کنٹرول حاصل کیا ہوا ہے۔ یہ درّہ بحیرۂ روم اور بحر اوقیانوس کے درمیان ملاپ کا واحد ذریعہ ہے۔

(5) آبنائے باسفورس: یہ ایشیا اور یورپ کے درمیان حدِ فاصل کا کام دیتی ہے۔ بحرِ

اسود سے بحیرۂ روم میں جانا ہوتو اس سے گزرے بغیر نہیں جایا جا سکتا۔ ترکی کی حدود میں واقع اس اہم سمندری راستے پر امریکا نے کھونٹے گاڑے ہوئے ہیں۔

آبنائے باسفورس کے ساتھ ایک اور اہم درّہ ایشیا اور یورپ کے سنگم پر ''درّۂ دانیال'' کے نام سے واقع ہے۔ آبنائے باسفورس ''بحرِ اسود'' اور ''بحیرۂ مرمرہ'' کو ملاتی ہے اور ''درّۂ دانیال'' ''بحیرۂ مرمرہ'' اور ''بحرِ ایجیہ'' کو ملاتا ہے۔ یہ دونوں درّے بحرِ اسود سے بحرِ روم تک بننے والی بحری شاہراہ کے دو اہم ناکے ہیں۔ بحرِ اسود کے کنارے یوکرائن، جارجیا وغیرہ روسی ریاستیں تھیں۔ روس ترکی سے اس گزرگاہ کو استعمال کرنے کا معاہدہ کرنا چاہتا تھا تاکہ بحیرۂ روم تک پہنچ سکے جو دنیا کا اہم سمندری حوض ہے۔ اس پر مغربی طاقتیں نہایت سیخ پا تھیں۔ ترکی اگر اپنی اس حیثیت کا درست استعمال کرے تو قدرت نے اسے دو نہایت قیمتی درّے سخاوت کے ساتھ عطا کیے ہیں۔

(6) آبنائے ملاکا: دنیا کا ایک اور اہم درّہ ''آبنائے ملاکا'' ہے۔ اس کے ایک طرف ملائشیا اور دوسری طرف انڈونیشیا ہے۔ مغربی طاقتوں نے یہاں تسلط حاصل کرنے یا دخیل کار ہونے کے لیے عین ناکے کے پاس ایک چھوٹا سا ملک بنا کر اسے ملائشیا سے الگ کر دیا۔ یہ ملک اتنا چھوٹا ہے کہ ایک ملک ایک ہی شہر پر مشتمل ہے، لیکن اہم محلِ وقوع کی وجہ سے دنیا بھر کی جہاز رانی کی گزرگاہ ہونے کی وجہ سے مالدار اور امیر ہے۔ دنیا اسے سنگاپور کے نام سے جانتی ہے۔ اگر یہ خطہ آج ملائشیا کے ساتھ ہوتا تو ملائشیا، چین کی طرح ایک نامور طاقت بن چکا ہوتا۔

یہ نقشہ ہم سے کیا کہتا ہے؟

اس نقشہ پر ثبت حقیقت آج بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی برملا تصدیق کر رہی ہے: جب مسلمان جہاد چھوڑ دیں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر ذلت مسلط فرما دیں

گے۔ یہ ذلت دوبارہ جہاد شروع کرنے تک برقرار رہے گی۔ اگر ہمارا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سچا ایمان ہے تو آیئے! آج ہی عہد کریں ہم اس خواری سے نکلنے کے لیے جان و مال کے ساتھ اللہ کی راہ میں حصہ لیں گے۔ پھر اللہ کا یہ وعدہ ہے وہ مسلمانوں کو کامیابیات ہمکنار فرمائیں گے۔ سوویت یونین کے مقابلے میں افغان جہاد ہمارے ہر اشکال کا جواب ہے اور ہماری ہر مشکل کا علاج بھی۔

بحرِ احمر پر قبضے کا صہیونی منصوبہ

ویسے تو ''بحرِ احمر'' کی اہمیت وعظمت کے لیے یہ امر ہی کافی ہے وہ اسلام کے مرکز اعلیٰ اور مسلمانوں کے سب سے مقدس ترین مقامات مکہ و مدینہ کی سرحدوں سے لگتا ہے، مگر بحرِ احمر اپنے جغرافیائی محل وقوع کی بنا پر بھی اس وقت تمام عالمی طاقتوں اور خصوصا یہود کے لیے نہایت اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ یہودیت وعیسائیت کے تیار کیے ہوئے حرمین شریفین کے خلاف تمام منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے بحرِ احمر ناگزیر ہے۔ قیامت کے قریب بیت اللہ پر ''حبشہ'' کا جو لشکر حملہ آور ہوگا وہ حدیث کے مطابق بحرِ احمر عبور کر کے آئے گا۔ بحرِ احمر کے کنارے حرمین شریفین کے محلِ وقوع نے یہودی عالمی سامراج کے لیے اس سمندر کو نہایت حساس بنا دیا ہے۔

''بحرِ احمر'' کا مشرقی ساحل یمن اور سعودی عرب سے لگتا ہے جبکہ مغربی ساحل مصر، سوڈان، اریٹیریا اور جبوتی کو بندرگاہیں فراہم کرتا ہے۔ جنوب میں جبوتی اور یمن کے درمیان سے بحرِ احمر، خلیج عدن اور بحر عرب یا بحر ہند میں کھلتا ہے، یہاں جا کر اس کی چوڑائی بمشکل تین کلومیٹر ہوگی۔ یہ تنگ سمندری درّہ ''باب المندب'' کہلاتا ہے۔ شمال میں بحرِ احمر مصری علاقے ''سینا'' سے ٹکراتا ہے جہاں صحرائے سینا کی باریک چونچ بحرِ احمر کو چیرتی ہوئی دو خلیجیں پیدا کر دیتی ہے: ایک خلیج ''عقبہ'' جو شمال مشرق میں ہے۔ اس کی انتہا پر تقریباً دس کلومیٹر کا ساحل اردن سے اور چند فرلانگ مقبوضہ فلسطین یعنی اسرائیل کے جنوبی حصہ سے لگتا ہے۔ دوسری خلیج ''سوئز'' ہے جو شمال میں بحیرۂ روم یا بحر متوسط میں جا کر لگتی ہے۔

مذکورہ تفصیل کے بعد یہ واضح ہوا درج ذیل وجوہ کی بنا پر بحرِ احمر بے حد اہمیت کا حامل ہے:

(1) یہ ایشیا، یورپ، افریقہ اور امریکا کے چاروں براعظموں کے درمیان واحد سمندری شاہراہ ہے۔

(2) یہ عالمی تجارت کے لیے ریڑھ کی ہڈی ہے۔

(3) یورپ وامریکا کی 75 فیصد آبادی اقتصادیات اور فوجی قوت سے وابستہ ہے۔

(4) روس، یوکرائن اور وسط ایشیا کے بہت سے ملکوں کے لیے بحرِ احمر کے علاوہ کوئی راستہ ہی نہیں، جس سے یہ ممالک جنوبی ایشیا اور عرب ممالک سے استفادہ کرسکیں۔

(5) عسکری حوالے سے ''بحرِ احمر'' کو علاقہ کے تمام ممالک کے لیے جو اہمیت حاصل ہے، وہ کسی تبصرہ کی محتاج نہیں۔

(6) ایتھوپیا، اریٹیریا، سوڈان اور اردن کو بحرِ احمر کے علاوہ کوئی سمندر نہیں لگتا۔

(7) 1973ء کی مصر و اسرائیل کی جنگ کے دوران بحرِ احمر کا مشرقی دروازہ ''باب المندب'' اسرائیلی بحری جہازوں کے لیے بند کردیا گیا تھا جبکہ مغربی کنارہ پہلے ہی مصر سے ہو کر گزرتا ہے۔ اس کی وجہ سے مصری افواج کو صحرا سینا میں موجود اسرائیلی افواج پر سمندر اور خشکی سے کھل کر حملہ کرنے کا موقع ملا، جس کے نتیجہ میں اسرائیل کو یہ طویل وعریض علاقہ جو مقبوضہ فلسطین سے تین گنا زیادہ ہے، چھوڑنا پڑا۔

اسرائیل کا منصوبہ:

1973ء کی شکست کے بعد ہی سے اسرائیل اس کوشش میں لگا ہوا ہے وہ کسی نہ کسی طریقہ سے بحرِ احمر پر قابض ہو۔ چونکہ عالمی طاقتیں امریکا، فرانس اور برطانیہ اسرائیل کی سرپرست حکومتیں ہیں، اس لیے وہ اپنے اس منصوبہ کو خفیہ رکھنے کے بجائے اس کا اعلان کرتا رہتا ہے۔

اسرائیلی بحریہ کے سربراہ کا انکشاف:

اسرائیلی بحریہ کے سربراہ'' کامسا‌ون'' نے صاف صاف اعلان کیا: ''ہم ایسے بحری بیڑے کے مالک ہیں جو تمام بین الاقوامی بندرگاہوں پر مصروف عمل ہے۔ آنے والی دہائیوں میں اسرائیلی بحریہ کے جہازوں میں خاطر خواہ اضافہ کیا جائے گا۔ ہم پر اپنی بحریہ اور بحری قوت کو مستحکم کرنا ضروری ہو گیا ہے کیونکہ اس کے بغیر عرب ممالک کے'' محاصرہ'' کو ختم نہیں کر سکتے۔''

آخر میں یہودی بحریہ کے کمانڈر نے کہا: ''مختصر بات یہ ہے ہم ایک ایسے منصوبہ پر عمل پیرا ہیں جس کے تحت ایک دن بحر احمر ہمارے ہاتھوں میں ہوگا اور بحر احمر'' بحر اسرائیلی'' یا '' بحر یہودی'' کہلائے گا۔'' (جریدۃ الاتحاد (امارات) 22 دسمبر 1996ء)

امارات کے سب سے کثیر الاشاعت اخبار'' الاتحاد'' نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے اسرائیل نے خلیج عقبہ کے آخری کنارے پر اپنی بندرگاہ'' ایلات'' سے بحر احمر میں بحریہ میں اضافہ کر دیا ہے اور اسرائیلی بحریہ نے اپنی کشتیوں کی حفاظت کے لیے'' بحر احمر'' پر گشت بڑھا دیا ہے۔ پھر اسرائیل کو یہ بات بھی کھائے جا رہی ہے بحر احمر جیسا اہم سمندر جن بڑے ممالک کے درمیان واقع ہے مثلاً: سعودی عرب، یمن، مصر، سوڈان اور اردن وہ سب بنیادی طور پر مسلمان اور اسرائیل کے خلاف ہیں۔ اسرائیل کے خیال میں یہ ممالک اگر متحدہ موقف اختیار کر لیں جو اسرائیل کے خیال میں کسی وقت بھی ممکن ہے تو بحر احمر کے ذریعہ اسرائیل اور اس کی سرپرست تمام عالمی قوتوں کو سرنگوں کیا جا سکتا ہے۔

اریٹیریا اور اسرائیل کے تعلقات:

افریقہ کا عیسائی ملک'' حبشہ'' جو'' ایتھوپیا'' کے نام سے مشہور ہے۔ آج تک اریٹریا پر قابض تھا، جبکہ اریٹیریائی آبادی ایتھوپیا سے آزادی کی مسلح تحریک چلا رہی تھی، چونکہ

اریٹیریا کے مسلمان اس تحریک میں پیش پیش تھے، اس لیے سوڈان اور یمن نے تحریک آزادی کی حمایت کی۔ عالمی طاقتوں نے بھی ایتھوپیا کو لالچ اور ڈرا دھمکا کر آزادی دینے کے لیے تیار کرلیا، لیکن مسلمانوں کو نظرانداز کر کے مقامی عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاتھ میں اقتدار تھما دیا۔ یہ 1993ء کی بات ہے۔[1]

اس دوران اریٹیریا اور اسرائیل کے تعلقات بڑھتے اور گہرے ہوتے چلے گئے دونوں ملکوں کے حکمرانوں کے درمیان ملاقاتوں میں معاہدوں اور فوجی تعاون کے سلسلے کھلم کھلا ہونے لگے۔ چونکہ اریٹیریا کی حکومت کا قیام ''بحرِ احمر'' پر یہودی قبضہ کا اہم حصہ تھا، اس لیے اسرائیل نے فی الفور اریٹیریا کی مالی وفوجی مدد شروع کر دی۔ بہت جلد اریٹیریا کی سب سے بڑی ''مصوع'' نامی بندرگاہ اسرائیل کے تصرف میں آ گئی۔

مصر کے ایک غیرت مند جرنیل ''طلعت مسلم'' نے دعویٰ کیا ہے: ''مصوع'' کی اریٹیریائی بندرگاہ پر چھ سو اسرائیلی فوجی مشیر اور جنگی ماہرین موجود ہیں۔ علاوہ ازیں ''جنرل طلعت مسلم'' کے مطابق میزائل بردار اسرائیلی جہاز D-BORA باقاعدہ اریٹیریائی بحریہ کا جز بن چکا ہے۔

بحرِ احمر میں جزیرہ دھلک اور اسرائیل:

اگلے مرحلہ میں اریٹیریا کی انتہائی مختصر بحریہ نے بحرِ احمر میں اہم جزیرہ ''دھلک'' بھی یہودیوں کے حوالہ کر دیا جہاں مضبوط فوجی اڈہ قائم کرلیا گیا ہے۔

اریٹیریائی صدر کے مشیر کی گواہی:

اریٹیریا اور اسرائیل کے تعلقات تو دنیا پر واضح ہو چکے ہیں، لیکن بحرِ احمر پر اسرائیلی

1- 2011ء میں یہی طریقۂ واردات سوڈان کے خلاف دہرایا گیا اور اب اس کی دو حصوں میں تقسیم نے اسرائیل کا کام مزید آسان کر دیا ہے۔

قبضہ کے یہودی منصوبہ کا اعتراف خود اریٹیریا کے صدر کے مشیر ''ابو القاسم حاج حمد'' نے اپنے ایک انٹرویو میں کیا جو اس نے ہفت روزہ بین الاقوامی جریدے کو دیا۔ اریٹیریا کے مشیر سے جب پوچھا گیا کیا اسرائیل نے افریقہ اور سوڈان میں مداخلت کا منصوبہ ترک کر دیا ہے؟ تو اس کا جواب تھا: ''نہیں! اسرائیل ایسا کرنا چاہتا ہے لیکن منصوبے کا تیسرا مرحلہ مکمل کرنے کے بعد۔'' اریٹیریا کے اس اعلیٰ عہدیدار نے کہا:

''اسرائیل نے اب تک اپنے منصوبہ کا پہلا مرحلہ مکمل کیا ہے یعنی اردن اور مصر کو عرب ممالک سے الگ کرنا جو اس نے کیمپ ڈیوڈ کے ذریعہ پورا کر لیا ہے۔ دوسرا مرحلہ جزیرۂ عرب کی اقتصادیات کو اپنے ہاتھ میں لینا اور تیسرا بحرِ احمر پر اپنا تسلط قائم کرنا ہے۔ ابھی اسرائیل تیسرے مرحلے سے گزر رہا ہے۔'' (قضایا دولیہ، شمارہ نمبر 378، ص 14)

جزیرہ حنیش پر اریٹیریا کا قبضہ:

بحرِ احمر کے جنوبی دہانے باب المندب کے صرف 38 کلومیٹر اندر کی سرحد کے قریب فوجی واقتصادی اہمیت کے حامل یہ تین جزیرے واقع ہیں: (1) حنیش صغریٰ (2) حنیش کبریٰ (3) ذو وقار۔ یہ جزائر ہمیشہ سے یمن کا حصہ رہے ہیں۔ فوجی ماہرین ان جزائر کو باب المندب کے بالکل قریب اور بحرِ احمر کے وسط میں واقع ہونے کی وجہ سے بحرِ احمر کا ''کمر بند'' قرار دیتے ہیں۔ 11 دسمبر 1996ء کو اریٹیریا کی بحریہ کے ایک جہاز نے اپنی حکومت کی طرف سے جزیرہ حنیش پر موجود یمنی افواج کو جو اس وقت پانچ سو کی تعداد میں موجود تھیں، اس جزیرہ سے انخلا کا تحریری پیغام پہنچایا۔ یمن اور اریٹیریا کے وزرائے خارجہ نے طے کیا معاملہ مذاکرات سے حل کیا جائے گا، مگر 15 دسمبر 96ء کو اریٹیریا نے اچانک اس جزیرہ پر حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں یمن کی سرکاری خبر رساں ایجنسی کے مطابق اسرائیلی بحریہ کے چار جنگی جہازوں نے حصہ لیا۔ جس کے نتیجہ میں جزیرہ کبریٰ کے بعض حصوں پر

اریٹیریا کا قبضہ ہو گیا۔ حملہ کے نتیجہ میں یمن کے تین فوجی شہید اور ایک سو اسی (180) گرفتار ہو گئے، جبکہ اریٹیریا کے چھ فوجی ہلاک ہوئے۔

امریکا کی اسرائیلی منصوبہ میں کھلم کھلا حصہ داری:

اس کے بعد یمن کے صدر "عبداللہ صالح" اور اریٹیریا کے صدر "سیاس افورقی" ایک ٹیلیفونی رابطے کے بعد جنگ بندی کے معاہدے پر متفق ہو گئے۔ دونوں نے یہ بھی طے کیا جنگ بندی کی نگرانی ایک چار رکنی کمیٹی کرے گی جو کہ دونوں ملکوں کے ایک ایک عہدیدار اور دونوں ملکوں میں موجود امریکی سفیروں پر مشتمل ہوگی۔ امریکی سفارتخانہ کی ضمانت پر جنگ بندی کی ابتدا 17 دسمبر 1996ء کی نصف رات سے شروع ہوئی جو چوبیس گھنٹہ تک بھی قائم نہ رہ سکی۔ امریکی سفارتکار صرف یمن کو دھوکا دینے میں مصروف رہے، اور اگلی ہی رات یعنی 18 دسمبر 1996ء کو اریٹیریا کی بحریہ نے اسرائیلی بحریہ کی مدد سے جنگ بندی کو توڑتے ہوئے پورے جزیرہ پر قبضہ کرلیا۔

عرب اخبارات اور جزیرہ حنیش پر قبضہ:

19 فروری 97ء کو اردن کے معروف اخبار "الرای" نے خبر دی کہ اریٹیریا امریکا و اسرائیل کی مدد سے ایک طرف سوڈان کی اسلامی حکومت کے خلاف برسرپیکار ہے، دوسری طرف وہ یمنی جزیرہ "حنیش" پر قابض ہو گیا ہے۔ اخبار کے مطابق اس میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ اریٹیریا یہ تمام کاروائیاں امریکا کے ڈالروں اور اسرائیلی بندوقوں کے بل بوتے پر کر رہا ہے۔ (روزنامہ الرای: 19/01/97)

ایک اور معروف روزنامہ "الشرق الاوسط" نے دعویٰ کیا کہ حنیش پر قبضہ میں اسرائیل ملوث ہے۔ (الشرق الاوسط: 22 فروری 97ء)

ایک عربی روزنامہ "الحیاۃ" نے انکشاف کیا کہ اریٹیریا کو امریکا نے بیس بلین ڈالر

دیے۔(روزنامہ الحیاۃ:25 فروری 97ء)

مڈل ایسٹ پالیسی کا اعتراف:

ایک اور جریدے ''مڈل ایسٹ پالیسی'' نے امریکی پروفیسر ''جیفری لیفرل'' کا جو امریکی یونیورسٹی میں سیاسیات کا استاد ہونے کے علاوہ براعظم افریقہ کے حالات پر پی ایچ ڈی کی ڈگری رکھتا ہے، یہ نقل کیا کہ اسرائیل کا بحر احمر پر قبضہ کا منصوبہ ہے اور اس کے لیے اریٹریا اسے ایک اچھا حلیف ملک مل گیا ہے۔ خود اریٹیریا بھی اسرائیل سے تعلقات بڑھا رہا ہے تاکہ اسے اس کے صلہ میں امریکا سے ملنے والی مدد دگنی ہو جائے۔ (مڈل ایسٹ پالیسی:1996ء)

ان تمام تر دلائل، حقائق اور واقعات سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ اریٹیریا کا یمنی جزیرہ پر حملہ اور قبضہ بحر احمر پر یہودی تسلط کے منصوبہ کا ایک حصہ ہے اور یہ کہ یہ سب کچھ عالمی طاقتوں کے اشارے بلکہ کہنے پر ہو رہا ہے۔

امریکی وزارت خارجہ کی ڈھٹائی:

امریکی سفارتکاروں کی ضمانت سے ہونے والی جنگ بندی کا معاہدہ اریٹیریا نے توڑ ڈالا تو امریکا کے نائب وزیر خارجہ روبرٹ نے اریٹیریا حملہ کی مذمت تک نہیں کی، بلکہ اس نے کہا کہ امریکا اس حملہ کو اریٹیریا کی طرف سے تجاوز قرار نہیں دے سکتا۔ (قضایا دولیہ: شمارہ نمبر 316)

امریکا، فرانس، روس اور اقوام متحدہ:

یمن و اریٹیریا کے تنازع کو نمٹانے کے لیے امریکا، فرانس، روس اور یو این نے مداخلت کی اور یمن کی کمزور حکومت کو جو عالم اسلام کی لفظی حمایت سے بھی محروم اور او آئی سی کے رویہ سے مایوس تھی، اس پر قائل کر لیا گیا کہ وہ ''بین الاقوامی برادری'' کو حکم اور ثالث

تسلیم کرلے۔

بین الاقوامی عدالت میں انصاف کا قتل:

جزیرہ حنیش کے تنازع کے حل کے لیے بین الاقوامی عدالت کی کئی نشستیں لندن میں ہوئیں اور بالآخر فرانس کے دارالحکومت پیرس میں عدالت نے فیصلہ دیا کہ تینوں جزیرے یمن کے نہیں اریٹیریا کے ہیں۔(قضایا دولیہ: حوالہ بالا)

لیکن اریٹیریا کے ذریعہ اسرائیلی پیش قدمی ابھی رکی نہیں، حکومت یمن الزام لگاتی ہے کہ اریٹیریائی بحریہ اب باب المندب کے بالکل وسط میں واقع ایک اور جزیرہ ''بریم'' یا ''مایون'' پر قبضہ کی تدبیریں کررہی ہے۔ باخبر ذرائع دعوی کرتے ہیں کہ امریکا کے ساتھ فرانس بھی اسرائیلی منصوبہ میں شریک ہے کیونکہ وہ پہلے سے جبوتی کی سب سے بڑی بندرگاہ پر قابض ہے۔ یہ فرانس کا اس کی سرزمین سے باہر سب سے بڑا بحری، فضائی اور بری اڈا ہے۔

مصری ساحل ''بنیاس'' پر امریکی افواج:

یاد رہے کہ ''بحر احمر'' میں یہود و نصاریٰ کی یہ پہلی مداخلت نہیں، امریکا سعودی ساحلی شہر ''ینبوع'' کے بالمقابل مصری ساحل پر ''بنیاس'' کی بندرگاہ پر ایک بڑا فوجی مرکز قائم کر چکا ہے۔ جس میں ایک اطلاع کے مطابق دس ہزار امریکی فوجی موجود ہیں۔

''صحرائے سینا'' اور ''نہر سویز'':

1927ء کی مصر و اسرائیل جنگ میں یہودیوں نے پورے فلسطین پر قبضہ کرنے کے ساتھ صحرائے سینا اور نہر سویز پر قبضہ کر لیا تھا، مگر پھر 1973ء میں مصری افواج نے نہر سویز اور سینا سے اسرائیلی افواج کو مار بھگایا اور مصری افواج مقبوضہ فلسطین تک جا پہنچیں تو یہودی مفادات کی خاطر وجود میں آنے والی اقوام متحدہ فوراً حرکت میں آگئی اور اس نے جنگ

بندی کرانے کے بعد صحرائے سینا کا پورا علاقہ اپنی نگرانی میں لینے کا فیصلہ کیا اور امریکی، برطانوی، فرانسیسی اور دیگر یورپی افواج پر مشتمل ''امن افواج'' علاقہ میں متعین کر دی۔ باخبر ذرائع کہتے ہیں کہ اب اس میں مصر کا ایک بھی فوجی نہیں، بلکہ امن افواج کے بیش تر افسر اور سپاہی یہودی ہیں۔

صحرائے سینا کی نوک دور تک بحرِ احمر کو چیرتی چلی جاتی ہے۔ اس لیے یہاں امن افواج کی تعیناتی کا مقصد یہ لیا جانا ناگزیر ہے کہ اقوام متحدہ نے غیر اعلانیہ طور پر اسرائیل کی سرحدیں بحرِ احمر تک پہنچا دی ہیں۔

ابرہہ کے جانشین:

تفصیلات مذکورہ کے پیش نظر سوڈان کی اسلامی جماعتیں مسلمانوں کی توجہ بار بار اس طرف دلا رہی ہیں کہ ''حبشہ'' (کے دو حصوں ایتھوپیا اور اریٹیریا میں تقسیم ہونے کے بعد اس) کا ساحلی حصہ جواب ''اریٹیریا'' کے نام سے مستقل حکومت بن چکا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے پچپن دن قبل ابرہہ کی قیادت میں بیت اللہ پر حملہ کر چکا ہے۔ مسلم مبصرین کے مطابق حبشہ اور اسرائیل اب پھر اسی منصوبے پر کام کر رہے ہیں۔ ایسے حالات میں مسلمانوں کو خوش فہمیوں کے خول سے باہر آ جانا چاہیے اور دشمنوں کے برپا کیے ہوئے فتنوں کو ختم کرنے کے لیے قرآن وحدیث کی تعلیمات پر عمل کا اہتمام کرنا چاہیے۔

عرب اور صہیونی افواج کی مشترکہ جنگی مشقیں

امریکا نے اپنے اتحادیوں کے ساتھ مل کر خلیج میں اپنا تسلط برقرار رکھنے، اپنی یہاں موجودگی کو جواز فراہم کرنے اور وقتاً فوقتاً فوجیوں اور اسلحے میں اضافے کرتے رہنے کے لیے ایک اور حیلہ گھڑ رکھا ہے، وہ ہے جنگی مشقیں۔ حربی امور اور عسکری اسرار و رموز سے واقف حضرات سے یہ بات مخفی نہیں کہ دو ملکوں کے درمیان مشترکہ جنگی مشقوں کا مطلب اور اغراض و مقاصد کیا ہوتے ہیں؟ جنگی مشقوں سے دو مختلف عسکری قوتیں مشترکہ مقاصد کے حصول کی عملی مشق، ٹیکنالوجی کا تبادلہ اور اپنے فوجیوں کی اعلیٰ عسکری تربیت جیسے اہم مقاصد حاصل کرتی ہیں۔ امریکا اور اس کے اتحادی ان سب باتوں کے علاوہ ایک خاص مقصد کے تحت خلیج میں گاہے گاہے فوجی مشقوں کا اہتمام کرتے ہیں یعنی مشرق وسطیٰ میں اپنی دائمی موجودگی کو یقینی بنانا اور اس کی آڑ میں اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کرنا۔ ان مشقوں کو مستقل پیمانے پر جاری رکھنے کے لیے ان طاقتوں نے خلیجی ممالک سے مختلف نوعیت کے معاہدے کے تحت ایک بڑی فوجی مشق کا اہتمام کیا تھا اس کو ''Nautilus'' کا نام دیا گیا تھا۔ یہ 10-07-96 سے لے کر 30-08-96 چالیس دن تک جاری رہیں، ان میں 31 ہزار فوجی شریک ہوئے جن میں امریکن میرین بھی شامل تھے۔ ان مشقوں میں جاسوسی طیارے، لڑاکا ہوائی جہاز اور ہیلی کاپٹر استعمال کیے گئے۔ اس کے علاوہ اس میں طویل و عریض دیو ہیکل بحری جنگی جہاز بھی استعمال ہوئے جن میں سے بکتر بند گاڑیاں اور سینکڑوں فوجی کویت کے ساحل پر اترے۔ خاص طور پر ''البیضہ'' نامی مقام پر یہ اسلحہ اور فوجی اتارے

گئے (جریدۃ الحیاۃ، 1.08.96)۔اس کے بعد جزیرۂ عرب میں مستقل طور پر فضائی، بحری اور بری جنگی مشقیں ہوتی رہتی ہیں۔ مصر، عمان، صومالیہ اور اردن بنیادی طور پر امریکا کے ساتھ مل کر جنگی مشقیں کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ برطانیہ مصر اور عمان کے ساتھ اور اٹلی اور فرانس مصر کے ساتھ وقتاً فوقتاً عسکری مشقیں کرتے رہتے ہیں۔ کویتی افواج کبھی امریکا کے ساتھ اور کبھی امریکا اور فرانس کے ساتھ مل کر بے شمار مشقیں کر چکی ہیں۔ ایک مبصر کا کہنا ہے: ''سال کے ان دنوں کو گننا بھی مشکل ہے جن میں کویتی افواج یہودی افواج کے ساتھ مل کر مشقیں کرتی ہیں۔''

سرزمین عرب میں امریکا کی قیادت میں ہر دو سال بعد ''شائننگ اسٹار'' نامی فضائی جنگی مشقیں ہوتی ہیں جن میں مصر، عمان اور صومالیہ کی افواج حصہ لیا کرتی ہیں۔ اس میں بھاری جنگی ساز و سامان کے استعمال پر مشتمل ایک خاص مشق ہوتی ہے جس کو ''لیرن کوبر'' کا نام دیا گیا ہے۔

''شائننگ اسٹار'' کے ساتھ ساتھ ''سمندری ہوائیں'' نامی ایک بحری جنگی مشق ہوتی ہے۔ یہ بھی ہر دو سال بعد ہوتی ہے۔ اس میں مصر اور بحیرۂ روم میں موجود چھٹا امریکی بحری بیڑہ حصہ لیتا ہے۔ ان مشقوں کے ساتھ فضائی دفاع کی ایک مشق بھی ہوتی ہے جس کو ''ثمر الجاذ'' کا نام دیا گیا ہے۔ پہلے اس میں سوڈان، عمان اور صومالیہ شامل ہوتے تھے، لیکن اب سوڈان مغربی ممالک کے منصوبوں کا آلہ کار نہ بننے کی وجہ سے اور صومالیہ امریکی تسلط کے خاتمے اور اس کا منظور نظر نہ رہنے کی وجہ سے ان مشقوں میں شریک نہیں ہوتے۔

امریکا اور برطانیہ نے خلیجی ممالک کے ساتھ مل کر ستمبر 1993ء میں ایک خصوصی بحری جنگی مشق بھی کی تھی جس میں صرف آبدوزیں استعمال ہوئی تھیں۔ اس کا سبب ایرانی آبدوزوں کی جانب سے لاحق خطرات کے مقابلے کو قرار دیا گیا تھا۔ اس مشق کا نام

''Exercise Gulf'' تھا۔ (قضایا دولیہ: اکتوبر 1996ء)

اردن، امریکا، فرانس اور برطانیہ کے درمیان ایک خصوصی دفاعی معاہدہ طے ہوا ہے جس کے تحت مشترکہ جنگی مشقیں کی جائیں گی۔ ان مشقوں کا سلسلہ اپریل 1993ء سے شروع ہوا اور آج تک مسلسل جاری ہے۔ صرف 1996ء میں کچھ وجوہات کی بنا پر یہ سلسلہ موقوف ہوا تھا۔

سب سے خطرناک بات یہ ہے کہ اردن نے ایک مرتبہ اسرائیل کے ساتھ مل کر بھی جنگی مشقیں کی ہیں۔ صہیونی ریاست کے پڑوسی اسلامی ملک کے ساتھ اتنے قریبی فوجی تعلقات عالم اسلام کے لیے انتہائی پریشان کن اور استعماری طاقتوں کے لیے بہت زیادہ باعث اطمینان ہیں۔ (قضایا دولیہ: ص22، اکتوبر 1996ء)

امریکا اور دیگر استعماری قوتیں ان مشقوں سے خلیج میں اپنی مداخلت برقرار رکھنے کے علاوہ اور بھی بہت سے اغراض و مقاصد حاصل کرتی ہیں، لیکن ان کو ہم آخر میں ذکر کریں گے۔ پہلے ہم بالترتیب خلیجی ممالک کی عیسائی و یہودی افواج کے ساتھ مل کر بلکہ ان کی زیر نگرانی کی جانے والی مشقوں کی روداد اور تفصیل تحریر کرتے ہیں۔ یہ تمام معلومات مستند ترین ذرائع سے حاصل کی گئی ہیں، جن کا حوالہ ساتھ ساتھ دیا جائے گا۔

مصر:

مصر نے امریکا، برطانیہ، فرانس اور اٹلی کے ساتھ مل کر 1975ء سے مشترکہ جنگی مشقوں کا سلسلہ شروع کیا۔ اس میں بحری، بری، فضائی افواج اور ہر قسم کے جدید ترین اسلحہ کا استعمال ہوتا ہے۔ (التقریر الاستراتیجی العربی، ص484) اس کے بعد مصر نے ''شائننگ اسٹار'' نامی مشقوں کا مستقل سلسلہ شروع کیا جو ہر دو سال بعد ہوتی ہیں۔ خلیج کی دوسری جنگ (1990ء-1991ء) میں یہ سلسلہ موقوف ہو گیا تھا پھر 1993ء میں بڑے اہتمام سے یہ

جنگی مشقیں ہوئیں ان میں 15 ہزار امریکی اور اتنے ہی مصری فوجیوں نے حصہ لیا اور بحری، فضائی اور بری تینوں افواج کے آپس میں تعاون کے ساتھ حملہ آور ہونے اور دفاع کرنے کی مشقیں کی گئیں۔

(مركز الدراسات السياسية و الاستراتيجيه بالاهرام، 1993ء ص 433,432)

بحیرۂ روم میں مصر کے ساحلوں نے 1996ء میں ایک عجیب منظر دیکھا۔ جب مصر، فرانس اور اٹلی نے مل کر ''قلوپطرہ96'' نامی بحری مشقیں کیں۔ اس میں تیرہ مختلف قسم کے بحری جنگی جہازوں، ہیلی کاپٹروں، جاسوس اور لڑاکا طیاروں نے حصہ لیا۔ یہ مشقیں 11 مئی سے لے کر 16 مئی 1996ء تک مسلسل چھ دن جاری رہیں۔ (حوالہ بالا)

کویت:

کویت میں ایک مرتبہ ایک عظیم الشان جنگی مشق ہوئی۔ اس میں کل چودہ ممالک نے حصہ لیا۔ جن میں خلیج کے آٹھ ممالک کے علاوہ امریکا، انگلینڈ، فرانس، روس، چین اور اٹلی شریک ہوئے۔ آخری تین ممالک بحیثیت معائنہ کار شریک تھے۔ یہ مشقیں جس میں عام سپاہیوں کے ساتھ ساتھ اعلیٰ فوجی افسران بھی شریک تھے، 13.04.96 سے شروع ہوئیں اور مسلسل چھ دن تک جاری رہیں۔ ان مشقوں کو ''الحسم النہائی'' کا خطاب دیا گیا۔ (جریدۃ الحیاۃ: 28.06.96)

امریکی فوجوں کے ساتھ کویت کی بے شمار، متنوع اور مختلف مقاصد کی حامل جنگی مشقیں ہوتی رہتی ہیں۔ روس کے ساتھ بھی کویت کا ایک فوجی نوعیت کا معاہدہ 29.11.93 کو ہو چکا ہے۔ جس کے تحت دونوں ملک کثیر المقاصد جنگی مشقیں کرتے ہیں۔ 1993-94ء میں انہوں نے مل کر ایک بحری مشق میں حصہ لیا تھا جو 24.12.93 سے لے کر 03.01.94 تک مسلسل جاری رہیں۔ (جریدۃ الحیاۃ، 24.12.93)

قطر:

قطر کی بحری اور فضائی افواج نے فرانسیسی فوجوں کے ساتھ مل کر خلیج کے پانیوں میں ایک طویل جنگی مشق میں حصہ لیا جو دو ہفتے تک جاری رہی۔ یہ مارچ 1996ء کی بات ہے۔ اس کے بعد جون 1996ء میں اس نے امریکی فوجوں کے ساتھ ایک مشق کی جس میں امریکا کی جانب سے تین جنگی جہازوں، پندرہ طیاروں اور ہیلی کاپٹروں اور تین ہزار فوجیوں نے حصہ لیا۔ یہ مشق دونوں ملکوں کے درمیان ایک دفاعی معاہدے کے تحت ہوئی۔ (جریدۃ الحیاۃ،23.06.96)

اس سے قبل امریکا نے ایک خصوصی معاہدہ کے تحت ایف 15 اور ایف 16 اقسام کے 34 لڑاکا طیارے قطر بھیجے۔ ان طیاروں نے قطر آنے کے لیے آخر جولائی 96ء میں امریکی اڈوں سے پرواز کی اور اگست 96ء کے آخر تک یہ قطر میں موجود تھے۔ امریکی محکمہ دفاع پینٹاگون کے مطابق یہ تمام تر فضائی قوت علاقے میں پہلے سے موجود اس فضائی طاقت کے علاوہ تھی جو خلیج کے امریکی اڈوں میں مستقل طور پر موجود رہتی ہے۔ (پینٹاگون کے بیان کے اصلی الفاظ دیکھنے کے لیے دیکھیے: عربی جریدہ ''الحیاۃ''، مئی 1996ء)

اردن:

اپریل 1996ء میں اردن کے ''ازرق'' نامی جنگی ہوائی اڈے پر 30 ایف 15 اور ایف 16 طیارے امریکن ائرفورس کے 2,000 فوجیوں کو لے کر اترے۔ ان کی آمد فضائی جنگی مشقوں کے لیے تھی۔ جو 96-04-14 سے شروع ہوئیں اور 96-06-30 تک جاری رہیں اس دوران یہ امریکی طیارے عراق کے ''نوفلائی ایریا'' پر جاسوسی کی غرض سے پروازیں بھی کرتے رہے۔ (جریدۃ الحیاۃ: 11،14/اپریل 1996ء)

جولائی 96ء میں بھی امریکا اور اردن کی مشترکہ مشق ہوئی جس کو ''مون لائٹ 96'' کا

نام دیا گیا۔ اس میں امریکا کے پانچویں بحری بیڑے کے میرین بھی شریک ہوئے۔ اس کے علاوہ امریکا کی جانب سے 30 طیارے بھی شامل تھے جبکہ دونوں طرف سے کل 2,000 فوجیوں نے اس مشق میں حصہ لیا۔

پہلے لکھا جا چکا ہے کہ اردن نے 1996ء کے بعد اسرائیل کے ساتھ مل کر بھی ایک فوجی مشق کی ہے۔ یہ ایسی خطرناک بات ہے جس کی اس سے پہلے کوئی نظیر نہیں ملتی۔

متحدہ عرب امارات:

مستند ذرائع کے مطابق متحدہ عرب امارات کی فوجیں فرانس کے اشتراک سے متعدد جنگی مشقیں کر چکی ہیں جن میں مختلف المقاصد حربی امور کا مظاہرہ کیا گیا۔ (قضایا دولیہ: ص18)

غیر مسلم افواج کے ساتھ عسکری مشقیں کیوں؟

پچھلی قسط میں یہ تحریر کیا گیا تھا عیسائی یہودی افواج وقفے وقفے سے ہر سال چھ مہینے بعد جزیرۂ عرب کے صحراؤں اور خلیج عرب کے پانیوں میں جو جنگی مشقیں کرتی ہیں، ان کے مقاصد ہرگز وہ نہیں جو دوست ملکوں کے درمیان ہونے والی مشقوں کی ہوا کرتے ہیں، بلکہ درحقیقت ان مشقوں کے آڑ میں وہ اپنے متعدد خفیہ مقاصد کی تکمیل کرتے ہیں۔ ان افواج کا ہدف ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ مسلم افواج کو عسکری تربیت دی جائے، ان کو جنگی اسرار و رموز سے آگاہ کیا جائے یا ان کو اعلیٰ ٹیکنالوجی فراہم کی جائے، بھلا کوئی اپنے دشمن کو بھی طاقتور دیکھنا چاہتا ہے؟ خصوصاً وہ دشمن جو قدرتی ذخائر سے مالا مال ہو اور اس کو تابع و دست نگر بنا کر اس کی دولت کو لوٹا کھسوٹا جا رہا ہو۔ اس کو زیورِ حرب سے آراستہ کرنا کسی طرح قرین قیاس نہیں۔

تمام استعماری قوتیں کبھی پسند نہیں کرتیں کہ ان کی مدمقابل اقوام اپنے پاؤں پر

کھڑی ہو سکیں۔ وہ ہمیشہ انہیں محکوم و مجبور اور اپنا محتاج و ضرورت مند بنا کر رکھنا چاہتے ہیں تاکہ ان کے شکنجے کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر اور ان کی بالادستی مستحکم سے مستحکم تر ہوتی چلی جائے۔ پاکستان کی مثال لے لیجیے! امریکا ہم سے ایف سولہ طیاروں کی قیمت وصول کر لینے کے باوجود طیارے فراہم کرنے سے انکاری ہے۔ طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود نہ قیمت واپس کرتا ہے اور نہ طیارے فراہم کرتا ہے، تمام تر اخلاقی و قانونی جواز کی موجودگی کے باوجود پاکستان مجبور ہے کہ اسی دبائی ہوئی رقم سے سودی قرض مانگ کر اپنی گرتی ہوئی معیشت کو سنبھالا دے۔

دوسری طرف حال ہی میں متحدہ عرب امارات اور امریکا کے درمیان 80 ایف 16 طیاروں کی خریداری کا معاہدہ ہوا ہے۔ اس سودے کو بیسویں صدی کا سب سے بڑا عسکری سودا قرار دیا جا رہا ہے۔ اس سودے کے حاصل کرنے کے لیے فرانس کے میراج اور امریکا کے ایف سولہ طیاروں میں مسابقت کی دوڑ لگ گئی تھی۔ دونوں ملک اس کو حاصل کرنے کی شدید خواہش رکھتے تھے، مگر آخر کار یہودی بنئے نے میدان مار لیا اور یہ آرڈر امریکا کو ملا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو امریکا پاکستان سے پیشگی رقم وصول کرنے کے باوجود بغیر کسی معقول عذر کے مسلسل مطالبے کے باوجود طیارے فراہم نہیں کرتا کہ وہ یہود و ہنود کے مقابلے میں مستحکم اور طاقتور ہو جائے گا، وہ عرب امارات کو کیوں مسلّح کرنا چاہتا ہے؟ امریکا زبان سے لاکھ اپنے آپ کو پاکستان کا حلیف کہے، اس بات کو قطعی پسند نہیں کرتا کہ کوئی مسلمان ملک عسکری اعتبار سے خود مختار اور مضبوط ہو۔ اس بارے میں اس کو نہ کسی دوستی کا لحاظ ہے نہ کسی ملامت کی پروا۔

ان مشقوں کا مقصد:

خلیج میں غیر مسلم افواج کی مسلمانوں کے ساتھ فوجی مشقوں کے حقیقی اسباب کا جائزہ

بھی اسی تناظر میں لینا چاہیے۔ امریکا اور اس کے اتحادی یہاں جھلسا دینے والے گرم موسم کا لطف لینے نہیں آتے، نہ ان کے پیش نظر مسلمانوں کی حربی مہارت میں اضافہ کرنا ہوتا ہے، بلکہ مندرجہ ذیل خطرناک مقاصد کا حصول انہیں گرم صحراؤں اور تپتی ریت میں مصروف بکار رہنے پر آمادہ کرتا ہے:

(1) ان کا پہلا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس بہانے جزیرۂ عرب پر اپنا وجود برقرار رکھیں، تاکہ وہ ایک طرف مسلمانوں کے مقدس مقامات کو (خاکم بدہن) ان سے چھین کر مفروضہ یہودی ریاست میں شامل کرلیں اور ''گریٹر اسرائیل'' کا صہیونی خواب پورا ہو سکے، دوسری طرف وہ یہاں زیرزمین موجود اس سیال سونے پر قبضہ جما سکیں جس پر آج کل کل ترقی یافتہ زندگی کا دارومدار ہے اور جو ان کے یہاں قلیل مقدار کے علاوہ نہیں پایا جاتا، خلاصہ یہ کہ ان مشقوں کی آڑ میں وہ دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے مسلمانوں کو تباہ برباد کرنا چاہتے ہیں اور مسلمان ہیں کہ ہوش میں نہیں آتے۔

(2) دوسرا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انہیں مسلم افواج کی حقیقی قوت کا اندازہ ہو سکے اور وہ ان کے تازہ ترین حالات سے براہ راست اور بخوبی آگاہ ہوں۔ یہودی وعیسائی ان مشقوں کے ذریعے مسلمانوں سے جنگ کا عملی تجربہ حاصل کرتے ہیں۔ باریک بینی سے جائزہ لیا جائے تو یہ حیرت انگیز بات سامنے آتی ہے کہ جن ملکوں سے اسرائیل کو جنگ کا خطرہ ہے، ان کو خاص طور پر ان جنگی مشقوں میں شریک کیا جاتا ہے تاکہ یہودی افواج ان کے کس بل کا اچھی طرح اندازہ لگا کر ان سے نمٹنے کی اہلیت بخوبی حاصل کرسکیں۔ بتایا جا چکا ہے کہ اسرائیل اپنے پڑوسی اردن کے ساتھ مل کر ایک جنگی مشق کر چکا ہے۔ مسلمانوں کے بدترین دشمن کا ایک مسلمان ملک کے ساتھ مل کر حربی امور کی تربیت اور عملی مظاہرے میں حصہ لینا ایک عجوبے سے کم نہیں ہے۔ تصور کی آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے کہ یہودی مسلمانوں کی اس

حماقت پر دل میں کتنا ہنستے ہوں گے، ان کی اس بے حسی اور غفلت پر کس قدر شاداں اور فرحاں ہوں گے۔

(3) تیسری وجہ یہ ہے کہ ان مشترکہ حربی مشقوں کے ذریعے انہیں مسلم افواج کو بگاڑنے کا آسان طریقہ ہاتھ آجاتا ہے۔ مسلمانوں سے جذبۂ جہاد ختم کرنے، غیرت و حمیت سے بے بہرہ کرنے اور انہیں بزدل اور عیاش بنانے کا اس سے زیادہ مؤثر کوئی اور طریقہ نہیں کہ انہیں عیسائیوں اور یہودیوں کی شاگردی اور تربیت میں دے دیا جائے۔ جو ان میں کوٹ کوٹ کر دنیا کی محبت اور موت کی نفرت بھر دیں۔ انہیں جنت کی طلب اور شہادت کے شوق سے محروم کر دیں۔ فسق و فجور کا عادی اور سست اور سہل پسند بنا دیں۔ صحبت کی تاثیر کا کون انکار کر سکتا ہے اور شاگردی تو صحبت سے زیادہ قوی التاثیر ہے۔ مردار دنیا کے پجاری خود بھی بزدل، موت سے ڈرنے والے اور قربانی دینے سے گریزاں ہوتے ہیں، ان کی یہ قبیح صفات ان کی زیر نگرانی تربیت حاصل کرنے والے مسلمان فوجوں میں بھی منتقل ہو جاتی ہیں پھر اسی پر اکتفا نہیں۔ یہ "قابل استاذ" بدترین عیوب میں مبتلا اور نا قابل بیان اخلاقی پستی کا شکار ہوتے ہیں۔ مغربی معاشرے میں چار سُو پھیلی برائیاں کسی سے مخفی نہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ اپنی ان عادتوں کے اظہار میں ذرا بھی نہیں جھجکتے، نہ شرماتے ہیں، نتیجۃً ان کے زیر تربیت سپاہی اور ساتھ رہنے والے افسران ان کے رنگ میں رنگتے چلے جاتے ہیں۔

عالمی نشریاتی ذرائع میں متعدد مرتبہ یہ خبر آچکی ہے کہ امریکی افواج میں ایک کثیر تعداد ہم جنس پرستوں کی نکلی۔ جب فوج سے ان کے اخراج کی تجویز سامنے آئی تو ان کے حق میں امریکا کے طول و عرض میں مظاہرے ہوئے۔ جس فوج میں اس قبیح فعل کے مرتکب (جو مردانگی کے لیے قاتل اور شجاعت و غیرت کو دیمک کی طرح چاٹنے والا ہے) ایک کثیر تعداد

میں پائے جاتے ہوں اور جو قوم ان سے نفرت کرنے اور انہیں سزا دینے کا مطالبہ کرنے کی بجائے ان کو بحال رکھنے اور ان کی حمایت و پشت پناہی کے لیے مظاہرہ کرے، اس کے اخلاقی انحطاط اور گراوٹ کا کیا عالم ہوگا؟ نجس چیز پینے، ناپاک اشیاء کھانے اور حرام کام کرنے والی یہ اقوام آج حربی امور میں مسلمانوں کی استاد بنی ہوئی ہیں۔ فیا للعجب!!

شیر گیدڑ کی شاگردی میں:

وہی مسلمان جن کی تاریخ تقویٰ وطہارت، شجاعت و بسالت اور جرأت و مردانگی کے حیرت انگیز واقعات سے بھری ہوئی ہے، وہ شیر دل اور شاہین صفت مسلمان آج گیدڑ جیسی صفات رکھنے والی قوموں کے سامنے اسرار حرب اور رموز شجاعت سیکھنے کے لیے زانوئے تلمذ طے کیے ہوئے ہیں۔ یہ تو ایسا ہوا جیسے شاہین کے بچے بلندی پرواز سیکھنے کے لیے مردار خور کرگسوں کے پاس جائیں یا شیر زادے شکار پر جھپٹنا لومڑیوں سے سیکھیں۔

پاکستانی افواج کی خدمات کیوں نہیں حاصل کی جاتیں؟

خلیجی ممالک کے حکمرانوں کو کون سمجھائے کہ اگر اپنی افواج کو تربیت دلانا ہی مقصود ہے تو اپنے برادر مسلم ممالک یہ فریضہ بحسن وخوبی انجام دے سکتے ہیں۔ پاکستان، بنگلہ دیش، ترکی اور سوڈان کی افواج کارکردگی اور معیار کے لحاظ سے شاندار ماضی رکھتی ہیں۔ خصوصا پاکستانی افواج اپنی قابل فخر روایات اور جرأت و شجاعت کے لافانی کارناموں کے باعث دنیا کی عسکری تاریخ میں ممتاز ترین مقام کی حامل ہیں۔ انہوں نے اس گئے گزرے دور میں بھی جذبہ ایمانی اور شوق شہادت کے ایسے لازوال مظاہرے کیے جن سے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ ان کا نظام تربیت اتنا اعلیٰ اور معیاری ہے کہ دوسرے ممالک کے لیے اس کی مثال پیش کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اپنے نظم وضبط اور اعلیٰ ترین پیشہ ورانہ صلاحیت کی بنا پر یہ عساکر عالم میں منفرد اور ممتاز سمجھی جاتی ہیں۔ عرب ممالک

سے ان کی عقیدت و محبت بھی مسلمہ ہے۔ پھر دینی اخوت اور مذہبی بھائی چارگی کا جذبہ سب سے بالاتر ہے۔ ان سب ترجیحات کے ہوتے ہوئے ان کو چھوڑ کر یہودیوں سے تعلقات استوار کرنا، ان سے عسکری نوعیت کے معاہدے کرنا، ان کو امور حرب میں اپنا استاد بنانا، جس سے ان کو کثیر مالی منفعت بھی پہنچے اور عزت و تعظیم بھی ملے، سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے۔ لاکھ تاویلیں کی جائیں، لیکن یہ بات عقل و منطق کی کسی کسوٹی پر پوری نہیں اترتی۔ ادنیٰ سے ادنیٰ فہم کا مالک انسان بھی اس کو عالمی صہیونی سازش قرار دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جنگی مشق اور عسکری تربیت تو دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے کی جاتی ہے۔ جب یہی مشقیں ان دشمنوں کے ساتھ مل کر کی جائیں گی جن سے کل سامنا کرنا ہے تو ان کی افادیت کیا رہ جائے گی اور یہ کس کے خلاف جنگ کی تیاری کے لیے ہوں گی؟ جس سے جنگ درپیش ہے وہ تو حلیف اور سرپرست بنا ہوا ہے، جس سے مذہب و ملت کو خطرہ ہے اسے تو استاد کا مقدس منصب عطا کیا ہوا ہے، تو یہ سب تیاریاں جنات کے خلاف ہیں یا فرشتوں سے مقابلے کی ٹھانی ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ یہ افواج مسلمانوں کو ان اسرار و رموز کی تربیت دیں جو کل انہی کے خلاف آزمائے جائیں؟ کیا کوئی اپنے دشمن کو عسکری تربیت دینے میں مخلص ہو سکتا ہے؟ اگر ان سوالات کا جواب نفی میں ہے اور خدا کی قسم نفی میں ہے تو یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ یہ سب کچھ ایک مربوط اور گہری سازش کے تحت ہو رہا ہے۔ جس کے تانے بانے بننے میں تمام عالمی طاقتیں شریک ہیں اور بمطابق فرمان صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اپنے اختلافات بھلا کر ملّت واحدہ بنی ہوئی ہیں۔

اے مسلمانانِ عالم! ہوش کے ناخن لو، مہلت کا وقت ختم ہونے سے پہلے بیدار ہو جاؤ، کہیں تم پر زمین ایسی تنگ نہ کر دی جائے کہ کہیں جائے پناہ نہ ملے، ایسی تنگ گھاٹی میں نہ دھکیل دیئے جاؤ جہاں سے نکلنے کا راستہ نہ ہو......!!

سرزمینِ عرب کی اہمیت کی تیسری وجہ

پٹرول اور گیس کے ذخائر:

اب تک جزیرۂ عرب کی اہمیت کی دو وجوہات بیان کی جا چکی ہیں۔ ایک دینی و مذہبی اعتبار سے اور دوسری جغرافیائی محل وقوع کے اعتبار سے، اب تیسری وجہ بیان کی جاتی ہے۔

جزیرۂ عرب کی اہمیت کی تیسری وجہ یہاں پٹرول کا وافر مقدار میں پایا جانا ہے۔ جزیرۂ عرب کی آبادی دنیا کی مجموعی آبادی کا دو فیصد ہے، لیکن یہاں پائے جانے والے پٹرول کا تناسب دنیا بھر کے پٹرول کے ذخائر کے اعتبار سے ایک محتاط اندازے کے مطابق 60 سے 75 فیصد تک ہے۔ امریکی اداروں کی رپورٹ کے مطابق یہ تناسب 66 فیصد ہے۔

(US Security stratery for the middle east department of defence may 1995. P.6)

جزیرۂ عرب کی مقدس سرزمین کی تہوں میں بہنے والا یہی وہ سیال سونا ہے جو مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال ہو تو ان کی کایا پلٹ سکتی ہے، لیکن اس کی دریافت کے دن سے ہی عالمی طاقتوں کے درمیان اس پر قبضہ جمانے کے لیے کشمکش شروع ہو گئی تھی۔

عالمی طاقتوں کے درمیان جاری ''سرد جنگ'' کا اہم ہدف:

بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ ماضی قریب میں آنجہانی سوویت یونین اور امریکا کے درمیان لڑی جانے والی سرد جنگ کا ایک اہم ہدف پٹرول کے ان ذخائر تک رسائی حاصل کرنا تھا جو مسلم سرزمین کی تہوں میں پائے جاتے ہیں۔ افغانستان کی سرزمین میں روسی

مداخلت ان ذخائر کے حصول کے لیے کی جانے والی جدوجہد کا آخری مرحلہ تھی، اگر روس وسط ایشیا کی دیگر ریاستوں کی طرح افغانستان پر قبضہ جمانے میں کامیاب ہو جاتا تو اس کے بعد آدھے ایرانی اور آدھے پاکستانی بلوچستان پر قبضہ اس کی اس طویل استعماری جدوجہد کا آخری قدم ہوتا۔ جس میں کامیابی پر وہ بلاشرکت غیرے دنیا کی واحد سپر پاور بن جاتا۔

اس کی دو وجوہات تھیں:

پہلی یہ کہ بلوچستان کے ساحل دنیا کی دفاعی شہہ رگ ہیں کیونکہ ان سے چند بحری میل کے فاصلے پر وہ بین الاقوامی بحری راستہ ہے جہاں سے ایران، متحدہ عرب امارات، قطر، عمان، یمن، عراق، سعودی عرب، ایتھوپیا، صومالیہ اور دیگر ممالک کی بلکہ عالمی بحری ٹریفک گزرتی ہے جبکہ گوادر سے چند میل کے فاصلے پر تحصیل جیوانی ہے جہاں سے مطلع صاف ہو تو ایرانی اور عمانی ساحل کی روشنیاں نظر آتی ہیں۔ اس حساس محل وقوع کے باعث دنیا بھر کے دفاعی ماہرین گوادر پر بڑی نظر رکھتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں اگر گوادر کے ساحل پر میزائل نصب کر دیے جائیں تو جہاں دنیا بھر کے بحری جہازوں کی آمدورفت معطل ہو جائے گی، وہاں سارا عرب، وسطی ایشیا اور سارا مشرقِ بعید غیر محفوظ ہو جائے گا۔ چین اور ایران کے تمام اہم شہر موت سے اتنے ہی دور ہوں گے جتنا انگلی اور بٹن میں فاصلہ ہوتا ہے، چنانچہ جاپان، چین، ایران، بھارت، امریکا، روس سب گوادر پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ جس کا داؤ پہلے چل جاتا، وہ آدھی سے زیادہ دنیا کو یرغمال بنالیتا۔

پٹرول:

دوسری یہ کہ بلوچستان چونکہ خلیج عرب کے کنارے واقع ہے، اس لیے وہاں پر قدم جمانے کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ خلیج میں موجود دنیا کی مجموعی پیداوار میں سے 57 فیصد پٹرول پر

قابض ہو جاتا، اس وقت امریکا اور یورپی ممالک کو اس کے سامنے گھٹنے ٹیکنے میں چند دن بھی نہ لگتے، کیونکہ ہر فرد جانتا ہے کہ آج کل کی دنیا میں پٹرول وہ چیز ہے جس پر اقوام عالم کی زندگی اور بقا کا دارومدار ہے۔ ہر قسم کی ترقی چاہے مادی اعتبار سے ہو یا سیاسی اعتبار سے، صنعتی میدان میں ہو یا تہذیب وتمدن کے میدان میں، وہ پٹرول کی مرہون منت ہے۔ اس کے بغیر نہ زراعت ہو سکتی ہے نہ تجارت، نہ آمدورفت ممکن ہے نہ حمل ونقل، اگر یہ نہ ہو تو کسی کھیت میں اناج کا ایک دانہ نہ اگے، کسی فیکٹری میں کوئی پرزہ تیار نہ ہو سکے، آج کل کے مشینی دور میں زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو پٹرول کے بغیر ایک دن اپنا وجود برقرار رکھ سکتا ہو۔ انسان کی تمام تر ضروریات وسہولیات، خوراک وپوشاک، دوائیاں اور اشیائے استعمال ہر چیز، تیاری سے لے کر صارف کے ہاتھ میں پہنچنے تک، ہر مرحلے میں پٹرول کی محتاج ہے۔ یہ ایسا آبِ حیات ہے کہ اگر اس کی ترسیل روک دی جائے تو عالم انسانیت خصوصاً مغربی دنیا چند لمحوں میں دم گھٹ کر فنا کی گھاٹ اتر جائے۔

اس تمام تر اہمیت کو ملحوظ خاطر رکھنے کے بعد اب ان رپورٹوں کو ملاحظہ فرمایئے جن کے مطابق امریکا کے پٹرول کے ذخائر 2000ء میں اور روس کے ذخائر 2003ء میں ختم ہو جائیں گے اور یورپ کے بہت سے ملک تو ایسے ہیں کہ ان میں پٹرول کا ایک قطرہ بھی نہیں پایا جاتا، جبکہ محتاط اندازے کے مطابق سعودیہ اگر موجودہ کثیر مقدار کے مطابق تیل کا اخراج کرتا رہے گا تو بھی اس کے ذخائر 125 سال تک، کویت کے 144 سال، عراق کے 98 سال اور متحدہ عرب امارات کے ذخائر 120 سال تک کارآمد ہیں۔ (مجلة الاسبوع العربی: 22-10-90)

اس کے ساتھ یہ فرق بھی مستحضر رہے امریکا کے کنویں 18 بیرل یومیہ پیداوار دیتے ہیں جبکہ سعودیہ کے کنویں بسا اوقات 18,000 بیرل یومیہ پیداوار دیتے ہیں۔ (وعد کسینجر:

دکتور سفر بن عبدالرحمٰن الحوالی، ص10)

قدرتی گیس:

پٹرول کے بعد توانائی کے حصول کا دوسرا اہم ترین ذریعہ قدرتی گیس کا ہے۔ اس معاملے میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس مسلم خطے کو بہت نوازا ہے۔ دنیا کی کل پیداوار کا 25 فیصد اس خطے میں پایا جاتا ہے۔ (فاروق احمد یوسف، مجلۃ الشرق الاوسط: قاہرہ، جون 1992ء، ص72)

جبکہ سات صنعتی ممالک اور مغربی یورپ کے بقیہ ممالک کے ہاں دنیا کی مجموعی پیداوار میں سے صرف 5.5 فیصد گیس ہے جس کے ذخائر صرف 10 سال تک کارآمد ہیں۔

(قضایا دولیہ: توفیق غانم، اکتوبر 1996ء، ص35)

یہی وہ وجہ ہے کہ خلیج کی ''وادی غیر ذی زرع'' روئے زمین کا اہم ترین خطہ بن چکی ہے۔ عالمی استعماری قوتیں اس کی رگوں میں دوڑنے والے سیال مادے پر قبضہ جمانے کے لیے جاں گسل کوششوں میں لگی ہوئی ہیں۔ وہ اچھی طرح جانتی ہیں کہ جو اس خطے پر تسلط حاصل کر لے وہ پوری دنیا کی قسمت کا مالک بن سکتا ہے۔ صدر نکسن نے کہا تھا: ''خلیج عربی اور مشرق وسطیٰ پر قبضہ حاصل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ پوری دنیا پر تسلط جمانے کی چابی ہاتھ میں آجائے۔'' (مذاکرات، ص105)

صدر کارٹر نے ایک مرتبہ اپنی حسرت اور مجبوری کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ''اگر اللہ تعالیٰ عرب کے پٹرول کو ذرا سا مغرب کی طرف سرکا دیتا تو ہماری مشکلات آسان ہو جاتیں۔'' (التدخل العسکری فی منابع النفط، ص12)

دوسرے لفظوں میں امریکی یہودی صدر یہ تمنا کر رہا ہے کہ کاش پٹرول اس خطے میں ہوتا جہاں مسلمان نہیں یہود و نصاریٰ کا تسلط ہے، یعنی اسرائیل کے زیر قبضہ علاقے میں۔

پٹرول کی دریافت کی کہانی:

مردار دنیا کے پیچھے رال ٹپکانے والے یہودی و عیسائی اپنے انہی ہوسناک عزائم کے تحت جزیرۂ عرب پر روزِ اول سے نظریں جمائے ہوئے ہیں۔ اس کے لیے انہوں نے کیا کیا پاپڑ بیلے، کتنی مشقتیں اُٹھائیں، کتنا طویل اور صبر آزما انتظار کیا، اس کا کچھ اندازہ حال ہی میں شائع ہونے والی شاہ عبدالعزیز آل سعود کی ایک سوانح سے ہوسکتا ہے۔ اس میں پٹرول کی دریافت کی کہانی تحریر کرتے ہوئے سوانح نگار نے جو کچھ لکھا ہے اور جو تصویریں دی ہیں اس سے امریکیوں کے عزائم کا بخوبی پتا چل سکتا ہے۔ ہم یہاں وہ تصویریں تو شائع نہیں کرسکتے البتہ وہ اقتباس نقل کرتے ہیں جس کے بین السطور سے یہودیوں کی دور بینی اور عیاری کا قارئین کچھ اندازہ لگاسکیں گے۔ شاہ عبدالعزیز کے سوانح نگار بحر اللہ ہزاروی لکھتے ہیں: ''الاحسا کے علاقہ میں پٹرول نکالے جانے کے سلسلے میں اگر کسی کی تعریف کی جاسکتی ہے تو وہ خود شاہ عبدالعزیز آل سعود ہیں۔ اس لیے کہ یہ ان کی شجاعت کا کمال ہے کہ انہوں نے 1933ء میں کیلیفورنیا پٹرولیم کمپنی کے ساتھ تیل نکالنے کا معاہدہ کیا۔ آرامکو آئل کمپنی کے ڈائریکٹر کا بیان ہے: ''ہم سے تیل نکلانے کا معاہدہ کر کے ابن سعود نے بڑی شجاعت کا مظاہرہ کیا، کیونکہ یہ وہ علاقہ ہے جہاں کسی غیر مسلم نے قدم نہیں رکھا تھا۔ صحرا کے بدوؤں کے لیے کسی غیر مسلم کا اس علاقہ میں قدم رکھنا نہایت خطرناک تصور کیا جاتا تھا، لیکن یہ شجاعت صرف شاہ عبدالعزیز کی ہے کہ انہوں نے نہ صرف ہم سے تیل کا معاہدہ کیا بلکہ ہمیں وہ تحفظ دیا جس کا ہم اپنے ملک میں بھی تصور نہیں کرسکتے تھے۔ ہمارے بارے میں عربوں کے جو شکوک تھے وہ بھی حقیقت پر مبنی تھے۔ اس لیے کہ ان دنوں عالم اسلام اور عالم عرب کے زیادہ تر ممالک مغربی کالونیاں تھیں۔'' (شاہ عبدالعزیز: ص 399)

تیل نکالنے کی جانکاہ کوششوں کے بارے میں آرامکو نے جو تاریخ لکھی ہے اس کی

ایک جھلک یوں ہے:

''تیل کی تلاش 1933ء میں شروع ہوئی، وہ امریکی ماہرین جو اس مہم میں شرکت کے لیے آئے تھے۔ انہوں نے ڈاڑھیاں بڑھا رکھی تھیں اور لمبی لمبی قمیصیں پہنے ہوئے تھے۔ [عربی لباس میں ملبوس ان بہروپیے امریکیوں کی تصویریں مذکورہ بالا کتاب کے صفحہ 107 پر دی گئی ہیں] شاہ عبدالعزیز نے اپنی خاص پولیس کے ذریعہ ان کی حفاظت کی ذمہ داری لے لی تھی تاکہ بدّو ان کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔

سب سے پہلے جس جگہ تیل تلاش کرنے کا کام شروع کیا گیا، وہاں سے کچھ نہ ملا۔ اس کام کے لیے نہ صرف یہ کہ تمام آلات امریکا سے منگوائے گئے، بلکہ کھانے اور پانی کے علاوہ صابن اور تمام متعلقہ سامان بھی امریکا سے منگوایا گیا تھا۔ پہلے تین جگہوں کی نشاندہی کی گئی، لیکن تیل نہ نکلا۔ دوسری طرف وہ جس طرز زندگی سے دوچار تھے، وہ اس سے بھی زیادہ مشکل تھی، لیکن بہرحال کوشش جاری رہی۔

امریکیوں نے بھی نہایت حوصلے اور صبر سے کام لیا۔ پہلا کنواں جن حالات میں کھودا گیا اس کی تفصیل بہت مشکل ہے۔ خلاصہ یہ کہ پہلے کنویں میں ناکامی کے بعد دوسرا کنواں کھودا گیا، لیکن اس میں بھی کوئی فائدہ نہ ہوا۔ تیسرے کنویں کی کھدائی میں ان کو یقین تھا کہ کچھ ملے گا اس وقت تک اس پر ہزاروں ڈالر خرچ ہو چکے تھے۔ ملازمین کے رہنے کے لیے شروع میں خیمے ہوتے تھے۔ گرمی بھی ایسی تھی کہ جس سے چہرے جھلس جاتے تھے۔ بعد میں ریاض کے کچے گھروں کی طرح چھوٹے چھوٹے گھر بنائے گئے۔ یہ گھر بطور آثار قدیمہ آج بھی موجود ہیں۔

تیسرے کنویں کے کھودنے کے بعد اتنا پتا چلا کہ تیل تو ہے لیکن اتنا ہے کہ جس کے لیے اتنی تکلیف برداشت نہیں کی جا سکتی۔ تیل نکالنے والی کمپنی کے اعلیٰ حکام کو شک ہونے

لگا لیکن ان میں صبر کا مادہ تھا۔ چونکہ تیل کی تلاش میں کام کرنے والوں کے زیادہ عرصہ رہنے کی وجہ سے وہ یہاں کی آب و ہوا سے خاصے مانوس ہو چکے تھے، اس لیے گھبرائے نہیں۔
چوتھا کنواں جس جگہ کھودا گیا وہ پہلی جگہوں سے مختلف تھا لیکن تیل جس کے لیے اتنی امیدیں وابستہ کی گئی تھیں، وہاں نہ نکلا۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ کیا کمپنی دیوالیہ ہونے کا اعلان کرے؟ جو کچھ خرچ کرنا تھا وہ تو ہو چکا تھا۔ چنانچہ امریکا میں موجود کمپنی کے کرتا دھرتا حکام کی میٹنگ ہوئی۔ 1937ء تک جو خسارہ ہو چکا تھا وہ تیس لاکھ ڈالر کا تھا، لیکن انھوں نے کام جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے نئے ماہرین کو بھیجا اور کمپنی میں کام کرنے والوں کو نئے کنٹریکٹ اور فوائد دیے تاکہ وہ کام جاری رکھ سکیں۔ ان حالات میں پانچواں کنواں کھودنے کا کام شروع ہوا۔ ماہرین کے پاس جو تجربہ اور کمال تھا، وہ سب اس میں جھونک دیا لیکن اس کا بھی وہی نتیجہ نکلا، لیکن وہ نا امید نہ ہوئے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ ایک آخری کوشش اور کی جائے تاکہ اگر تیل نہ ملے تو حسرت بھی باقی نہ رہے۔

اس دوران انہوں نے ایک وقت میں دو کنویں کھودنے کا فیصلہ کیا، یہ چھٹا اور ساتواں کنواں تھے۔ ماہرین کے علاوہ کمپنی کے اعلیٰ حکام بھی لمحہ لمحہ کی معلومات حاصل کر رہے تھے۔ چھٹے کنویں سے بھی کچھ نہیں ملا۔ جس سے ان کی نا امیدی میں مزید اضافہ ہوا۔ یہاں تک کہ ظہران اور کیلیفورنیا کے درمیان یہ گمان ہونے لگا کہ کسی وقت بھی حکم آسکتا ہے کہ تیل کی تلاش بند کر کے واپس آجاؤ۔

اچانک اطلاع ملی کمپنی کے ڈائریکٹر جنرل خود آرہے ہیں اور یہ بھی کہ کمپنی کے اکاؤنٹ میں ڈالرز امریکا سے منتقل ہو چکے ہیں۔ نیا سامان بھی روانہ ہو چکا ہے، لیکن ساتویں کنویں کو ابھی پوری طرح کھودا بھی نہ گیا تھا کہ ایک معجزہ ہوا، جس سے امریکیوں کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ زمین سے خزانہ ابل پڑا اور اتنا تیل نکلا جس پر خود امریکی حیران و

پریشان تھے۔ یہ مارچ 1938ء کی بات ہے۔

اب تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہو چکا تھا۔ یہ واقعہ نہ صرف کیلیفورنیا کمپنی کے لیے حیران کن تھا، بلکہ پورے جزیرہ نمائے عرب کے لیے ایک معجزہ تھا۔

یہ کنواں آج بھی سات نمبر سے پکارا جاتا ہے۔ 1933ء سے 1937ء کے آخر تک ان پانچ سالوں میں 5 ہزار بیرل تیل نکلا، لیکن صرف 1939ء میں 39 لاکھ 34 ہزار بیرل نکالا گیا۔ یعنی گذشتہ پانچ سالوں کی بنسبت سات گنا زیادہ۔ یہ مقدار 1940ء میں پچاس لاکھ 75 ہزار بیرل اور 1954ء میں یہ 2 کروڑ 11 ہزار بیرل تک جا پہنچا۔ یہ دنیا میں جہاں جہاں تیل نکلا ہے اس سے زیادہ ہے۔ 1942ء میں 1990 لاکھ 66 ہزار بیرل ہوا یعنی سالانہ 60 ملین بیرل، 1947ء میں آٹھ کروڑ 98 ہزار بیرل یعنی 90 ملین بیرل ہو گیا۔

کام کرنے والوں کی تعداد بیس ہزار ہو گئی۔ یہاں سے نہ صرف تیل بلکہ گیس بھی نکلی۔ پھر نہ صرف آرامکو کمپنی اس کام میں لگی رہی، بلکہ دوسری جاپانی، اٹلی، فرانسیسی اور عرب ملکوں کی کمپنیاں بھی شامل رہیں۔"

(شاہ عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود، مؤلف بحر اللہ ہزاروی: ص 403-399)

خلیج کے پٹرول تک پہنچنے کے لیے عالمی منصوبوں کی کہانی

سرزمینِ حرم کے بے آب وگیاہ صحرا میں جب تیل نکل آیا تو یہ عالمی استعماری طاقتوں کی توجہ اور دلچسپی کا مرکز بن گئی۔ یہاں موجود سیاہ چمکدار آبِ حیات پر تسلط جمانے کے لیے عالمی طاقتوں کے درمیان جو رسہ کشی چلتی رہی، اس کو مکمل طور پر سمجھنے کے لیے ہمیں ذرا پیچھے جا کر ماضی قریب کی تاریخ کے اوراق کھنگالنے ہوں گے۔ اس کے بغیر اس دلچسپ داستان سے انصاف نہ ہو سکے گا۔

آج سے کم وبیش ستر سال قبل جب کمیونزم ایک نظام اور نظریہ کے طور پر ابھرا اور اس نے زارِ رُوس کو شکست دے کر رُوس کے پایۂ تخت پر قبضہ کر لیا تو دنیا میں دو نظام ایک دوسرے کے حریف بن کر سامنے آ گئے، ایک امریکا اور مغربی ممالک میں رائج ''سرمایہ دارانہ'' نظام اور دوسرا روس اور کمیونسٹ بلاک میں شامل اشتراکی ممالک میں نافذ ''اشتراکیت'' کا نظام، ان دونوں کے درمیان طویل عرصہ تک سرد جنگ جاری رہی اور کتاب وقلم سے لے کر توپ وتفنگ تک ہر محاذ پر ان میں مخاصمانہ چپقلش چلتی رہی۔ روزمرہ کی مصنوعات کی تیاری سے لے کر ایٹمی اسلحہ سازی تک ہر میدان میں دونوں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی سرتوڑ کوشش کرتے رہے۔ اس میں کوئی شک نہیں روس نے سامراجی نظام کے حامیوں کی نیندیں اڑا رکھی تھیں۔ زمینی، بحری اور فضائی عسکری قوت سے

لے کر خلا کی تسخیر تک ہر محاذ پر اس نے اپنے مد مقابل کو ناکوں چنے چبوا دیے تھے۔ کسی کا احسان یاد رکھنے کے معاملے میں مغربی اقوام کا حافظہ بہت کمزور ہے۔ ان کو چاہیے تھا افغان مجاہدین کو اپنا محسن مانتے ہوئے ہمیشہ ان کے ممنون و مشکور رہیں، بالآخر انہوں نے ہی اس ریچھ کے پنجے توڑ کر اور دانت نکال کر اسے واپس گھر کی راہ دکھائی، ورنہ ان ممالک میں اتنی ہمت نہ تھی اس طوفان کا رخ پھیر سکتے۔

کمیونزم کا سیلاب:

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کمیونسٹ تحریک نے جب روس میں استحکام حاصل کر لیا تو اس نے بزعم خود ساری دنیا کے مظلوموں کو سرمایہ داروں کے ظلم و ستم سے نجات دلانے کی ٹھانی۔ اس مقصد کے لیے اس نے دنیا کے مختلف ممالک میں مختلف ناموں اور طریقوں سے تحریکیں چلائیں۔ ان کی سرپرستی کی، انہیں مالی و عسکری امداد دی۔ پہلے نظریاتی طور پر لوگوں کو ہمنوا بنایا۔ پھر ان سرخ رضا کاروں کے ذریعے سرخ انقلاب برپا کروایا۔ ہر ملک میں اپنی بالادستی قائم کرنے کے لیے اس کے سماجی حالات کے مطابق مناسب طریقہ اپنایا گیا۔ کہیں زبان و قلم سے کہیں تیغ و تفنگ سے۔ یہاں تک کہ کمیونزم ایک سیلاب کی صورت میں امڈ پڑا، حتیٰ کہ پاکستان جیسے ملک میں جو خالص نظریاتی ریاست ہے جسے دیکھو سرخ انقلاب کا داعی بنا پھرتا تھا۔ ''کامریڈ'' کا لفظ اپنانا ایک فیشن بن چکا تھا (کامریڈ کمیونسٹ تحریک کے رضا کار کو کہتے ہیں) اپنے نام کے ساتھ کامریڈ کا سابقہ لگانے کو فخر سمجھا جاتا تھا۔

اس خونی تحریک نے پیش قدمی کرتے ہوئے پہلے تو اپنے پڑوس میں موجود قدرتی وسائل سے مالا مال وسط ایشیا کی ریاستوں کو ہڑپ کرنا شروع کیا، حتیٰ کہ سترہ عظیم ممالک پر قبضہ جما کر ان کو خود میں مدغم کر لیا۔ دوسری طرف براعظم یورپ میں فتوحات کا جھنڈا

گاڑتے ہوئے داخل ہوا۔ مشرقی یورپ کے بیشتر ممالک مثلاً پولینڈ، رومانیہ، بلغاریہ، البانیہ، یوگوسلادیہ، چیکوسلواکیہ اور ہنگری اس کے زیراثر ہو گئے۔ آدھے جرمنی پر اس نے قبضہ جما کر اسے بقیہ ملک سے جدا کر کے بیچ میں دیوار برلن کھڑی کر دی۔ یورپی ممالک کی اس وقت سانسیں پھولی ہوئی تھیں۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کس طرح اس یلغار کا سامنا کریں؟ جب ان سے اکیلے کچھ نہ بن پڑا تو سب اس کے مقابلے کے لیے اکٹھے ہو گئے۔ ''نیٹو'' اور ''وارسا'' نامی دفاعی معاہدے کمیونزم کے بپھرے ہوئے طوفان کا مقابلہ کرنے کے لیے کیے گئے تھے۔ روس کے شکنجے سے بچنا ان کو مشکل نظر آتا تھا۔ اس کی وجہ روس کی وہ تاریخ تھی: ''وہ جس جگہ داخل ہوتا تھا، واپس نہ آتا تھا۔'' ہوتے ہوتے روس امریکا کے قریب ملک کیوبا تک جا پہنچا۔ درمیان میں چھوٹا سا سمندری خطہ باقی رہ گیا تھا۔ امریکا ابھی سر پر آکر پہنچنے والی اس افتاد سے بچنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ روس نے یہاں میزائل لا کر نصب کر دیے جو امریکا کو بہت قریب سے نشانہ بنا سکتے تھے۔ اس وقت امریکا بہادر نے اپنے آپ کو جس قدر بے بس محسوس کیا ہوگا، قارئین اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ جب امریکا ویت نام میں داخل ہوا تو روس نے ویت نامیوں کی ہر ممکن مدد کی، یہاں تک کہ امریکا کو شکست سے دوچار کر کے نکال باہر کیا۔

خلیج میں روس کی دلچسپی کی وجہ:

اس کے ساتھ ساتھ وہ خلیج کو بھی نہیں بھولا تھا۔ امریکا کو خلیج کی ضرورت محض پٹرول کی وجہ سے تھی، لیکن روس کی خلیج سے دلچسپی کی ایک اور وجہ بھی تھی یعنی گرم پانی تک رسائی۔ بدقسمتی سے روس کے پاس جو آبی خطے تھے وہ سرد ترین علاقے میں تھے، جہاں سال بھر یا برف جمی رہتی یا برف کے دیوہیکل ٹکڑے تیرتے رہتے تھے، جن کے ہوتے ہوئے جہاز رانی ممکن نہ تھی، ان دونوں وجوہات کی وجہ سے وہ خلیج کے پانیوں تک پہنچنے کے لیے بے

چین تھا۔ اس مقصد کے لیے اس نے جزیرۂ عرب میں واقع ممالک میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانا شروع کیا اور یہاں بھی اس نے امریکا اور اس کے اتحادیوں کو مات دے دی۔ ایک طرف اس نے عراق اور شام کو اپنا ہمنوا بنایا۔ دوسری طرف یمن کے دو ٹکڑے کر کے آدھے یمن پر کمیونسٹ حکومت قائم کروالی۔ خلیج عرب کے دائیں طرف ایران واقع ہے۔ شاہ کے زمانے میں ایران امریکا کا حامی تھا، لیکن انقلاب کے بعد اس کے امریکا کے ساتھ تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ جاننے والے جانتے ہیں انقلاب کے بعد سے ایران روس کا اتحادی ہے۔ اس امر پر ایک سے زیادہ شواہد موجود ہیں۔ ایران میں روس کے لیے نرم گوشہ رکھنے والی اور امریکا مخالف حکومت کے آجانے سے امریکی مفادات کو زبردست نقصان پہنچا۔ غرض خلیج کے اس طرف ایران اور اس پار عراق، شام اور یمن کو اپنا اتحادی بنانے کے بعد روس کے لیے خلیج پر اپنا تسلط قائم کرنے کا فیصلہ کن مرحلہ آپہنچا تھا۔ وہ کامیابی سے اب چند قدم کے فاصلے پر تھا، لیکن خدا کا کرنا جب دو چار ہاتھ لب بام رہ گیا تھا، کمند ٹوٹ گئی۔ روس نے ہر طرف سے مطمئن ہونے کے بعد آخری معرکہ سمجھ کر افغانستان میں فوجیں داخل کیں۔ افغانستان میں سرخ انقلاب کا استقبال کرنے والے رضا کار خاطر خواہ تعداد میں موجود تھے۔ افغان کوہساروں میں کمیونسٹ حکومت قائم کرنے کے لیے روس نے طویل منصوبہ بندی کی تھی۔ اس غرض کے لیے اس نے افغانستان کو بے حساب فوجی اور مالی امداد دی۔ بہت سے منصوبے، سڑکیں اور پل بنا کر دیے۔ سالانگ کی شاہراہ اور دریائے آمو پر واقع ''دوستی پل'' اس کی مثالیں ہیں۔ (دیکھیے: تاریخ جہادِ افغانستان، ڈاکٹر ایچ بی خان، ص 101)

روس کی منزل:

افغانستان کے بعد آدھے ایرانی (بندر عباس) اور آدھے پاکستانی بلوچستان (گوادر، جیوانی) پر قبضہ کرنا کچھ مشکل نہ تھا۔ یہی وہ جگہ تھی جو اس کی طویل غاصبانہ جدوجہد کی منزل

مقصود تھی۔ پچھلے دنوں ذرائع ابلاغ میں جو یہ بازگشت سننے میں آئی تھی کہ امریکا گوادر میں دلچسپی لے رہا ہے، اس سے ہمارے بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ امریکا دراصل ان اہداف کو حاصل کرنے کی فکر میں ہے جن کو پانے کی تمنا میں روس ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ روس اللہ کی غیبی طاقت اور مسلمانوں کے جذبۂ جہاد سے بے خبر تھا۔ اس لیے اس انجام کو پہنچا۔ امریکا اس سے عبرت پکڑنے کے بجائے اس کے نقشِ قدم پر چل رہا ہے اور لگتا ہے قدرت کی خطرناک گرفت میں آئے گا۔

روس نے 1980ء کو افغانستان پر قبضہ مکمل کرنے اور 1981ء کو بلوچستان کو زیر نگیں کر کے خلیج کے پانیوں تک رسائی کا سال قرار دیا تھا۔ اسی وجہ سے اس نے ''شین ڈنڈ'' کے فضائی اڈے کی تعمیر میں انتہائی دلچسپی اور عرق ریزی سے کام کیا تھا، کیونکہ شین ڈنڈ سے اڑنے والی پرواز خلیج تک پہنچنے میں صرف 15 منٹ لیتی ہے۔

(دیکھیے: فی السیرۃ عبرۃ، الشیخ الشہید عبداللہ عزام، ص 146)

برسبیل تذکرہ یہ وہی فضائی مستقر ہے جو ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ افغان جہاد میں اسے فتح نہ کیا جا سکا، لیکن مجاہد طلبہ نے اسے چند دنوں میں بزور بازو اپنے قبضہ میں لے لیا جس کے دوران ان کا جانی و مالی نقصان نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس دور کی جنگوں میں یہ یادگار معرکہ سمجھا جاتا ہے۔

بلوچستان میں سرخ انقلاب کے حامی سرخ ٹینکوں کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ ان دنوں یہاں کھلے عام پاکستان توڑنے اور کمیونسٹ انقلاب برپا کرنے کی باتیں ہوتی تھیں۔ گھر گھر سرخ جھنڈے لہراتے نظر آتے تھے۔ گلی گلی کمیونزم کا چرچا تھا۔ قبائل کے قبائل دینِ حق کے منکر اور دہریت و الحاد کے دلدادہ تھے۔ روسی تاریخی ایام عید کے طور پر منائے جاتے تھے۔ 17 اکتوبر لینن کے انقلاب اور 27 دسمبر کو روس کے افغانستان میں

داخلے کی یادگار کے طور پر منایا جاتا تھا۔ ان دنوں میں بلوچستان اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن کے رضا کار سرخ قمیص اور سرخ ٹوپیاں پہنتے تھے۔ عمارات پر سے پاکستانی پرچم اتار کر سرخ پرچم لہراتے تھے۔ (قصص و احداث، الشیخ عبد اللہ عزام شہید: ص 82)

پاکستان کے ترقی پسند صحافی روز اخبارات میں واویلا مچاتے تھے پاکستان کو روس کی مزاحمت نہیں کرنی چاہیے، روس عنقریب افغانستان کو روندتا ہوا خلیج کے ساحل پر جا پہنچے گا۔ اس کی مخالفت مول لینا کہاں کی دانشمندی ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

سرخ ریچھ کی دہشت ناک آمد اور عبرتناک واپسی:

الغرض مادی اسباب کی حد تک سرخ ریچھ کا عالمی اہمیت کے ساحل پر قبضہ چند دنوں کی بات رہ گئی تھی اور یہاں پر قبضے کا مطلب یہ تھا: خلیج پر روس کا دوطرفہ قبضہ ہو جاتا اور وہ بلا مقابلہ دنیا کی واحد سپر پاور بن جاتا جس کے ہاتھ میں عالمی اقتدار کی کنجی ہوتی۔ وہ جب چاہتا اقوام عالم کو لٹو کی طرح گھما سکتا۔ امریکا اور مغربی ممالک افغانستان میں روسی مداخلت کا مقصد اور غرض وغایت اچھی طرح سمجھتے تھے۔ روسیوں کی افغان سرحد پار کرنے کی خبر ان پر بجلی بن کر گری۔ یہ ناگہانی خبر سن کر ان پر سکتہ طاری ہو گیا تھا، کیونکہ ان ممالک کی تمام تر دنیاوی ترقی اور ظاہری رعب داب کا دارومدار خلیج کے پٹرول پر تھا، جس پر وہ بصد مکر وفریب پنجے گاڑ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ افغانستان اور پھر بلوچستان پر روس کے قابض ہونے کا مطلب یہ تھا دنیا کی شہ رگ اس کے ہاتھ آجاتی۔ اس طرح کئی عشروں سے جاری جنگ مغربی اقوام کی کلی شکست اور عبرت آموز ہزیمت کے ساتھ اختتام کو پہنچ جاتی، کیونکہ خلیج پر قابض قوت کے ساتھ نبرد آزمائی کسی کے لیے ممکن ہی نہ تھی۔ روسیوں کے دریائے آمو پار کرنے کی خبر سن کر اقوام مغرب کی نیندیں اڑ گئی تھیں۔ انہیں اپنی عبرتناک پسپائی، غلامی اور بھیانک انجام سامنے نظر آرہا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا روس کے خلاف مزاحمت کرنے والی قوتوں

کو امداد دینے کا سوچا بھی نہ جا سکتا تھا۔ سرخ ریچھ کی تاریخ سب کو معلوم تھی: ”یہ کسی جگہ داخل ہو جائے تو وہاں سے واپس نہیں ہوتا“ تاتاریوں کے بارے میں مشہور مقولہ ”جب تم سے کہا جائے تاتاری شکست کھا گئے تو تم اس کی تصدیق نہ کرنا۔“ روس پر سو فیصد صادق آتا تھا۔ وہ افغانستان سے قبل وسط ایشیا کی جن سترہ ممالک پر قبضہ کر چکا تھا، وہ افغانستان سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ اور اسلحے و افرادی قوت میں بہت آگے تھے۔ عقل و منطق کے اعتبار سے اب روس کا راستہ روکنا اور اسے خلیج کے گرم پانیوں اور تیل سے لبریز کنوؤں تک پہنچنے سے باز رکھنا مشکل ہی نہیں ناممکن تھا۔ مغربی اقوام دم سادھے تماشا دیکھ رہی تھیں۔ آنے والے دنوں کے تصور سے ہی ان کے اوسان خطا ہوئے جاتے تھے، حتیٰ کہ افغانوں کی قوت ایمانی اور جذبۂ جہاد نے ناقابل یقین کارنامہ کر دکھایا۔ وہ اللہ کی مدد کے بھروسے پر کلہاڑیاں اور ڈنڈے لے کر ٹینکوں اور توپوں کے مقابلے میں میدان کارزار میں کود پڑے۔ چشم فلک نے عجیب تماشا دیکھا۔ ایک طرف نہتے افغان تھے اور دوسری طرف دنیا کی سپر پاور۔ ایک طرف جدید ترین اسلحہ اور اعلیٰ تربیت یافتہ فوج تھی اور دوسری طرف چند توڑے دار بندوقیں اور غیر منظم بکھری ہوئی افرادی قوت، لیکن ایمان کی قوت اور نصرت الٰہیہ کے نزول نے ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔

افغان مجاہدین نے نہ صرف ایک سال تک سرخ طوفان کا راستہ روکے رکھا، بلکہ روسیوں کو ایسے کاری زخم لگائے کہ دنیا بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہوگئی۔ آہستہ آہستہ مغربی اقوام کو یقین آنے لگا افغان مجاہدین اس طوفان کا رخ موڑ سکتے ہیں۔ جب امریکا کو یقین دلایا گیا کہ افغان روسیوں کے دانت کھٹے کر سکتے ہیں تو اس کی جان میں جان آئی۔ اس نے خلیج کے تیل کی لوٹ کھسوٹ میں شریک اپنے اتحادی ممالک اور خلیج کی مسلمان ریاستوں کو افغان مجاہدین کی ہر ممکن امداد کی درخواست کی۔ عرب ممالک میں موجود سینکڑوں امدادی

تنظیموں اور مخیر شیوخ کی طرف سے لاکھوں ڈالر کے نجی عطیے کے علاوہ افغان جہاد کا نصف خرچ سعودی حکومت برداشت کرتی تھی۔ (دیکھیے: شکست روس، بریگیڈیر محمد یوسف، ص 126)

مغرب کی طرف سے کل تک مجاہدین کی حمایت اور آج مخالفت کی وجہ:

امریکا نے جب افغانوں کی حیرت انگیز شجاعت، بہادری اور جوانمردی کے مظاہرے دیکھے تو اسے امید دکھائی دینے لگی وہ خلیج کے بیش بہا قدرتی وسائل تک پہنچنے سے روس کو روک سکتا ہے۔ اس نے عرب ممالک سے التجا کی وہ اپنے یہاں مجاہدین کی امداد اور تعاون کے لیے جہاد کے حق میں سازگار فضا قائم کریں۔ اس زمانے میں سعودی ریڈیو چوبیس میں سے اٹھارہ گھنٹے جہاد کے پروگرام نشر کرتا تھا۔ اخبارات میں مجاہدین سے متعلق خبریں شہ سرخی کے ساتھ شائع کی جاتی تھیں۔ اس وقت امریکا کے اتحادی ممالک بھی افغان مجاہدین کی حمایت کرتے تھے، لیکن کسی کو افغان جہاد کی مشروعیت اور فرضیت میں شبہ نہ ہوتا تھا۔

روس کے خلاف جو علما، فرضیت جہاد کا فتویٰ جاری کرتے تھے، وہ اعزاز و اکرام کے مستحق گردانے جاتے تھے۔ آج جزیرۂ عرب میں موجود یہودی و عیسائی افواج کے خطرات سے کوئی عالم دین کسی کو آگاہ بھی کرے تو وہ بدترین مجرم سمجھا جاتا ہے۔ شیخ سلمان عودہ، شیخ سفر حوالی اور دیگر کبار علمائے کرام محض اس جرم میں جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہیں کہ انہوں نے ارض حرمین میں غیر مقامی افواج کے اصل عزائم سے امت مسلمہ کو خبردار کرنے کی کوشش کی تھی۔

مغربی اقوام کی کم ظرفی اور احسان فراموشی:

قصہ مختصر افغانوں کی جدوجہد رنگ لائی اور سوویت یونین کو ایسی عبرتناک ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا جس کو دیکھ کر کٹر دہریے اور ملحد بھی اللہ عزوجل کی قدرت و طاقت کے قائل ہو

گئے۔ جو استعماری قوت شکست کے نام سے نا آشنا تھی ایسی پاش پاش ہوئی کہ وہ اپنا وجود بھی برقرار نہ رکھ سکی۔ اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی اور کیا ہو سکتی ہے؟ جس ناصب کے متعلق مشہور تھا وہ جہاں ایک مرتبہ داخل ہو جائے وہاں سے واپس نہیں ہوتا، اس نے نہتے افغانوں کے ہاتھوں ایسی بدترین شکست کھائی اسے واپسی کا راستہ ڈھونڈے نہ ملتا تھا۔ آخر کار جنیوا معاہدے کی آڑ میں اپنی رسوا کن پسپائی پر بصد حیلہ پردہ ڈالنے میں کامیاب ہوا۔ روس کی پسپائی کے بعد مغرب کی بے مروّتی اور کم ظرفی کا ایک نیا رخ دنیا نے دیکھا۔ افغانوں نے اس جنگ میں بے نظیر قربانیاں دیں، لاکھوں افراد شہید ہوئے، ہزاروں بچے یتیم اور سینکڑوں عورتیں بیوہ ہوئیں، سارا ملک کھنڈر بن گیا، گاؤں کے گاؤں ویران ہو گئے۔ ملک کی معیشت اور ترقی کو نا قابل تلافی نقصان پہنچا، اگر دیکھا جائے تو اس کا براہ راست فائدہ مغرب کو پہنچا۔ روس افغانستان کے پہاڑوں میں جڑی بوٹیاں ڈھونڈنے نہیں آیا تھا۔ اس کا ہدف خلیج کا پٹرول تھا۔ وہی پٹرول جس پر مغرب کی زندگی کا دارومدار ہے اور جس کے بل بوتے پر وہ آج اپنی ظاہری چمک دمک قائم رکھے ہوئے ہے۔ اگر آج خلیج میں کوئی دوسرا شاہ فیصل پیدا ہو جائے اور مغرب کو عالم اسلام کی دولت لوٹ کر لے جانے سے منع کر دے تو اہل مغرب دو دن اپنی زندگی کی گاڑی نہ کھینچ سکیں۔ ان کی ساری روشنیاں ماند پڑ جائیں۔ ان کی چکا چوند ختم ہو جائے اور نام نہاد ترقی کا پول کھل جائے۔

افغان اپنی جانیں دے کر اور گھر بار لٹا کر کمیونزم کے بپھرے ہوئے طوفان کے سامنے سد سکندری بن گئے۔ جس سیلاب کا مقابلہ ہر قسم کی جدید ٹیکنالوجی کے ہوتے ہوئے سارا مغرب مل کر بھی نہ کر سکتا تھا، مجاہدین نے تن تنہا اور خالی ہاتھ اس کے سامنے نہ صرف بند باندھ دیا، بلکہ اس کا رخ موڑ کر رکھ دیا۔ اگر مغرب والوں میں اخلاق و مروت اور اعلیٰ انسانی اوصاف کا پرتو بھی ہوتا تو وہ تا عمر افغانوں کے ممنون و احسان مند رہتے، ان کو اپنا محسن اور

نجات دہندہ سمجھتے، مگر تہذیب وتمدن کی دعویدار اقوام نے تمام اخلاقی روایات کو پامال کرتے ہوئے روس کے شکست کھاتے ہی نظریں پھیر لیں۔ جب تک سرخ ریچھ میں جان تھی اور ان کو اس کے نوکیلے پنجوں اور خوفناک جبڑوں سے ڈر لگتا تھا، وہ افغانوں کی پشت پناہی کرتے اور ہمت بندھاتے رہے اور جب مجاہدین نے اس ریچھ کے جبڑے چیر کر رکھ دیے اور ہاتھ پاؤں توڑ کر اس کو کیفرِ کردار تک پہنچایا تو اسی وقت پھیکی چمڑی اور بے وفا نیلی آنکھوں والی یہ احسان ناشناس اور مروّت سے محروم مغربی اقوام یکدم اجنبی اور ناآشنا بن گئیں۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا جس افغانستان نے روسی خون آشام درندوں کو خلیج تک پہنچنے سے روک کر مغربی اقوام کو ان کا دست نگر اور محتاج و مجبور بننے سے بچایا، یہ اقوام اس کے بدلے میں افغانستان کی تعمیر نو کرتیں، مہاجرین کی بحالی اور شہداء کی بیوگان اور پسماندگان کی آباد کاری کی فکر کرتیں، مگر ان احسان فراموشوں نے نہ صرف تباہ حال افغانستان کی امداد سے ہاتھ کھینچ لیا، بلکہ الٹا جارحیت کا ارتکاب کرنے والے روس سے دوستی کی پینگیں بڑھائی اور اس کو امداد دینی شروع کر دی۔ اندازہ لگائیے سفلہ پن کی اس سے بڑھ کر کوئی مثال ہو سکتی ہے؟

اگر یہ کم ظرف اسی پر اکتفا کر لیتے تو بھی غنیمت تھا۔ یہ بے وفائی اور بے مروتی ان سے غیر متوقع نہ تھی، مگر انہوں نے یہ بھی گوارا نہ کیا افغانستان کو اپنے حال پر چھوڑ دیں تا کہ وہ اپنے وسائل اور معدنی ذخائر کے بل بوتے پر یا مسلمان ملکوں کی امداد کے سہارے دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے۔ انہوں نے اس کی بحالی کی راہ میں روڑے اٹکانے شروع کر دیے۔ اس کے خلاف عالمی ذرائع ابلاغ سے پروپیگنڈہ کیا جانے لگا۔ یہاں کسی مستحکم حکومت کے قیام کو ناممکن بنانے کے لیے طرح طرح کی سازشیں کی جانے لگیں۔ کوششیں

کی گئیں جہاد میں شامل جماعتوں میں سے چھوٹی جماعتوں اور کمزور عہدیداروں کو اقتدار دیا جائے تاکہ یہ ہمیشہ ان کی مرضی کے تابع ہوں۔

بوریا نشینوں کی قربانی اور تخت نشینوں کی بے مروّتی:

جب افغانستان میں مستقل بنیادوں پر اسلامی حکومت قائم نہ ہوسکی، طوائف الملوکی کا دور دورہ ہوگیا، جس کا جہاں بس چلا اس نے وہیں اپنی ریاست قائم کرلی، ظلم و ستم عام ہو گیا، ٹیکسوں کی بھرمار ہوگئی، ہر طرف بدامنی پھیل گئی، کسی کی جان و مال محفوظ نہ رہی، مہنگائی اور لوٹ مار سے خلق خدا عاجز آگئی، عالمی طاقتوں کو اپنے مقاصد پورے ہوتے نظر آنے لگے، تو اللہ تعالیٰ نے جہاد افغانستان کے اصل وارثوں کو نجات دہندہ بن کر سامنے آنے کی توفیق دی۔ جب ان کی جدوجہد اور قربانیوں سے افغانستان میں قیام امن اور نفاذ اسلام کی امید نظر آنے لگی تو یہ بے ضمیر اقوام ہاتھ دھو کر ان کے پیچھے پڑ گئیں۔ ان بوریا نشینوں سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا خطرہ محسوس ہونے لگا۔ کبھی ان کو دہشت گرد کہا جاتا ہے۔ کبھی ان کے مخالفین کی کھلے عام مالی و فوجی امداد کی جاتی ہے۔ کبھی اقوام متحدہ کے کارکنوں کے بھیس میں جاسوس اور کارندے بھیجے جاتے ہیں۔ کبھی رفاہی اداروں کی آڑ میں بے دینی اور فحاشی پھیلانے کے مراکز قائم کیے جاتے ہیں۔ کبھی افغانستان سے بھاگ کر گئی ہوئی یورپ میں قیام پذیر آزاد خیال اور ملحد و بے دین عورتوں سے حقوق نسواں کی پامالی کے خلاف مظاہرے کروائے جاتے ہیں۔ غرض شیطان کی آنت کی طرح پیچ در پیچ سازشوں کا ایک جال ہے جو چاروں طرف سے اسلامی امارت کے خلاف بچھایا جارہا ہے۔

یہ سب کچھ کرتے وقت ان بے مروت اقوام کو نہ افغانوں کا احسان یاد آتا ہے نہ وہ دن جب روس کے خوف سے ان کی نیندیں اڑی ہوئی تھیں، نہ وہ انسانی حقوق اور بین الاقوامی روایات جن کا یہ دن رات ڈھنڈورا پیٹتے ہیں، افغان مجاہدین کے ہاتھوں روس کی شکست

کے بعد یہ طاقتیں "أنا لا غیری" کے فرعونی غرور اور دماغی فتور میں مبتلا ہو کر اور اپنے دشمن ساری دنیا کے مسلمانوں کو غافل اور کمزور سمجھ کر بے فکری سے دونوں ہاتھوں سے شیخ میں موجود عالم اسلام کی دولت لوٹ رہی ہیں، مسلمانوں کے مقدس مقامات پر قبضے کے لیے پر تول رہی ہیں اور اس وقت کے انتظار میں ہیں جو آخری اور فیصلہ کن معرکے کے لیے مناسب اور سازگار ہو۔

پس ہے کوئی؟

قارئین کرام! یہ داستان اس لیے نہیں لکھی گئی کہ صفحات کا پیٹ بھرا جا سکے۔ آپ کو اس لیے نہیں سنائی آپ کی عالمی حالات کے متعلق معلومات میں اضافہ ہو، نہ یہ رونا ہم نے اس لیے رویا ہے آپ اپنے آپ کو اغیار کے منصوبوں کے سامنے بے بس اور لاچار محسوس کریں یا احساس کمتری میں مبتلا ہوں۔ یہ داستان صور اسرافیل ہے۔ جو مردوں کو حیات نو بخشے، سوتے ہوؤں کو جگا دے، غافلوں کو جھنجھوڑ دے، بھولے ہوؤں کو راہ دکھا دے، اس کے ذریعے مسلمانوں کے دلوں میں چھپی ہوئی ایمان کی چنگاری شعلہ بن سکتی ہے جو عرصے سے غفلت کی راکھ تلے دبی ہوئی ہے۔ اس چنگاری کو پھونکیں مارنے والے تھک گئے ہیں، وعظ کہنے والوں کی زبانیں سوکھ گئی ہیں، مگر بے حسی کی راکھ نہیں ہٹ رہی، یہ چنگاری شعلہ بن کے نہیں دے رہی۔ وہ چنگاری جو بھڑک کر مسلمانوں کے خلاف سازشوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے، انہیں جلا کر نیست و نابود کر دے۔ پس ہے کوئی حرمین کی پکار پر لبیک کہنے والا! کعبۃ اللہ کی حفاظت کے لیے سر دھڑ کی بازی لگانے والا! روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ کے لیے جان و مال قربان کرنے والا! ہے کوئی جو مسلمانوں کی فلاح و کامیابی کے لیے اپنی گھڑی ہوئی تدبیروں کی بجائے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے نسخہ پر عمل کرے؟ ہے کوئی جو کانفرنسوں اور سیمیناروں کے بجائے تربیت کے پروگرام منعقد کرے؟

ہے کوئی جو اپنے مسرفانہ اخراجات ختم کر کے اللہ کے راستے میں عطیات دے؟ ہے کوئی جو لہو ولعب چھوڑ کر تقویٰ وطہارت والی زندگی اپنائے؟ دنیا کی لذتوں سے منہ موڑ کر میدان کارزار کا رخ کرے۔ ہمارے بنیادی مسائل کا حل یہی ہے مسلمان بھولا ہوا سبق پھر سے یاد کرلیں، اپنے اسلاف کا راستہ دوبارہ اپنالیں۔ جب سے وہ گھوڑے کی پیٹھ سے اترے ذلیل وخوار ہوگئے۔ جب سے تلوار سے تعلق ترک کیا مجبور و بے بس ہو گئے۔ حالات کا پیغام یہ ہے: وہ شہادت کا شوق اور جنت کی طلب کو دل میں جاگزیں کریں۔ جسم سے نہ ہو سکے تو قلم سے، قلم سے قدرت نہ تو زبان سے، زبان نہ چلے تو مال سے، دین کی تبلیغ و اشاعت اور راہِ خدا میں اپنی صلاحیتیں خرچ کریں، تاکہ اللہ کا دین پھر سے غالب وسربلند ہو جائے۔ حرمین کی طرف بری نظروں سے دیکھنے والے نیست ونابود ہو جائیں اور مسلمان پھر سے سرخرو اور عزت مند ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق بخشے۔ ہماری جان و مال کو اپنے راستے میں قبول فرمائے۔ دنیا میں فتح اور آخرت میں اپنا دیدار نصیب کرے۔

آمین یا رب العالمین.

مسلمانوں کی دولت پر قبضے کا یہودی منصوبہ

روس نے مسلمانوں کی دولت پر قبضہ جمانے کے لیے جو طویل اور انتھک ناکام کوششیں کیں، ان کی عبرت آموز سرگزشت تو آپ نے سن لی، اب یہود کی آلۂ کار مغربی طاقتوں کی سازشوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ان سازشوں کی تفصیل اور تاریخی پس منظر سے آگاہ ہونا اس اعتبار سے ضروری ہے کہ روسی سانپ تو ناکام و نامراد ہو کر اپنے بل میں سمٹ گیا ہے، لیکن صہیونی طاقتوں کے آلۂ کار یہ مغربی ناگ مسلسل پیش قدمی کرتے ہوئے جزیرۂ عرب کے مقدس مقامات کے گرد لہرا رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے بل تنگ کر دیے ہیں اور ان کے پھن اب خطرناک انداز میں پھنکار رہے ہیں۔ خطے میں پٹرول کی دریافت کے بعد سے ہی ان طاقتوں نے اس پر پہرے بٹھانے اور قبضہ جمانے کے لیے ایک طویل المیعاد منصوبہ پر عمل کیا، اس کے درج ذیل مراحل تھے:

خلیج کے وسائل پر قبضہ جمانے کے مراحل:

(1) سب سے پہلے انہوں نے سرزمین عرب کو خلافتِ عثمانیہ کے مضبوط سائبان سے محروم کروایا۔ دنیا جانتی ہے سرزمینِ حجاز کو سلطنتِ عثمانیہ سے جدا کرنے میں پیش پیش دو صلیبی قوتیں تھیں: برطانیہ اور فرانس۔

(2) اس کے بعد انہوں نے اس مقدس خطے کو جو سلاطین آل عثمان کے دور میں پورا ایک علاقہ سمجھا جاتا تھا اور ایک گورنر کی ماتحتی میں ہوتا تھا، چھوٹی چھوٹی متعدد ریاستوں میں تقسیم کر دیا، تاکہ وہ عسکری لحاظ سے ہمیشہ ان کی محتاج رہیں۔ جو ریاست جتنی دولتمند تھی

اسے اتنا ہی چھوٹا رکھا گیا حتیٰ کہ کچھ مالدار ترین خلیجی ممالک پاکستان کے ایک ضلع کے برابر ہیں۔

(3) پھر ان ریاستوں کے خاندان حکمرانوں کا تعین بھی انہوں نے اپنی مرضی سے کیا تا کہ یہاں تیل کے چشموں، کنووں اور تیل صاف کرنے کی ریفائنریوں پر ان کا مکمل تسلط رہے۔ کوئی ایسا حکمران نہ آنے پائے جو ان کے حریصانہ مقاصد کی راہ میں رکاوٹ بن سکے۔ بہت سے عرب شہزادے جو کل کے ولی عہد اور آج کے حکمران ہیں، مغربی ممالک کی یونیورسٹیوں کے پروردہ اور مغربی ماحول کے دلدادہ ہیں۔ ان کو خصوصی مقاصد کے تحت امریکا لے جا کر فکری تربیت اور ذہن سازی کی گئی ہے۔

(4) پھر ان کی توسیع پسندانہ سوچ یہاں تک بڑھی ان کے لیے تیل کی کمپنیوں اور ان کے اردگرد رہائشی کالونیوں پر اکتفا ممکن نہ رہا۔ سول افراد کی موجودگی ان کے حاکمانہ تسلط کی خواہش کی پوری تشفی نہ کر سکتی تھی، لہٰذا انہوں نے مختلف حیلے بہانوں سے اپنے فوجی دستے یہاں پہنچائے۔ کبھی عسکری تعاون کے معاہدوں کی آڑ میں، کبھی فوجی مشقوں کے بہانے، لیکن رفتہ رفتہ انہیں محسوس ہونے لگا عالم اسلام میں ہمارے خلاف بیداری کی لہر کسی وقت بھی اٹھ سکتی ہے، لہٰذا جلد از جلد عسکری اعتبار سے اس خطے کو مضبوط گرفت میں لینا ضروری ہے۔ چنانچہ کویت اور سعودیہ کے دفاع کی آڑ میں انہوں نے یہاں قدم جما لیے۔ نتیجہ یہ ہے کل جس ہتھیار کو استعمال کر کے شاہ فیصل شہید نے امریکا اور مغربی ممالک کو دن میں تارے دکھا دیے تھے، آج وہ مکمل طور پر امریکا اور اس کے اتحادیوں کے قابو میں ہے۔ تیل پیدا اور صاف کرنے والی کثیر القومی امریکی کمپنیوں کے سارے حصے (شیئرز) یہودیوں کے پاس ہیں۔ یہ کمپنیاں جہاں مسلمانوں کی دولت لوٹ رہی ہیں، وہاں امریکی ثقافت اور بے حیائی و فحاشی بھی پھیلا رہی ہیں۔ یہ سب کچھ یہودی و عیسائی طاقتوں نے ایک دن میں

حاصل نہیں کر لیا، اعلیٰ ترین یہودی دماغوں نے اس کے لیے طویل منصوبہ بندی کی تھی۔
1973ء میں امریکی وزارت خارجہ کے معاون وزیر ''جوزف سیسکو'' نے عرب پٹرول سے استفادے کے لیے اپنی رپورٹ میں جو تین بنیادی نکات پیش کیے تھے، 1995ء میں امریکی وزیر دفاع نے انہی تین نکات پر عمل درآمد جاری رکھنے کی ہدایت کی ہے۔ اس رپورٹ کا متعلقہ جملہ ملاحظہ ہو: ''ہمارے لیے اپنے اور اپنے یورپی دوستوں اور حلیفوں کی بڑھتی ہوئی ضروریات پوری کرنے کے لیے ضروری ہے خلیج کی تین چیزوں کو اپنی گرفت میں رکھیں: (1) تیل کی پیداوار (2) اس کی یومیہ اخراج کی مقدار (3) اس کی قیمت۔''
(قضایا الخلیج العربی: سلسلة الدراسات الاستراتیجیة، بیروت، 1992ء، ص 14-13)

خلیجی حکمران، ناخلف جانشین:

جس مغربی یلغار کو روکنے کے لیے شاہ فیصل نے اپنی جان کا نذرانہ دیا، اس کے جانشینوں نے اس طوفان کو خود دعوت دے کر بلایا اور اپنی جان، مال، عزت و آبرو اس کے قدموں میں گروی رکھ دی۔ شاہ فیصل شہید کو محض اسی جرم کی پاداش میں شہید کروایا گیا تھا انہوں نے امریکیوں کا آلۂ کار بننے سے انکار کرتے ہوئے یہودی وزیر خارجہ ہنری کسنجر کو کہا تھا: ''اگر ہم نے محسوس کیا ہم تمہیں تیل کے ذخائر تک پہنچنے سے نہیں روک سکتے تو ہم ان کنووں کو آگ لگا دیں گے اور اپنے آباؤ اجداد کی کھجور اور دودھ والی زندگی کی طرف لوٹ جائیں گے۔'' شاہ شہید نے ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دیتے ہوئے ان دھمکیوں کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا، لیکن ان کے جانشین ان کی قائم کردہ غیرت و حمیت کی روایات کے امین نہ بن سکے۔ وہ غیروں کے سائبان تلے پناہ لینے میں ہی اپنی اور اپنی حکومت کی عافیت سمجھتے ہیں۔ ان کی کم ہمتی کا نتیجہ ہے وہ دولت جو اللہ تعالیٰ نے وافر مقدار

نیا مسلمانوں کو عطا کی تھی اور جس کو صحیح طرح استعمال کرنے سے مسلمانانِ عالم کی کایا پلٹ سکتی تھی (بہت سے مسلمان ملکوں کا سالانہ بجٹ سعودیہ کے تیل کی چند دنوں کی پیداوار کے برابر ہے) اس دولت کو یہود و نصاریٰ ''مالِ مفت دلِ بے رحم'' کے مصداق سمیٹ سمیٹ کر اپنے ملکوں کو لے جا رہے ہیں۔

مسلمانوں کی سادگی اور غیروں کی عیاری:

عیاری کی انتہا یہ ہے اسی لوٹی ہوئی دولت سے مسلمان ملکوں کو اہانت آمیز شرائط کے تحت سود پر قرض دیے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کی اس سادگی اور حماقت پر آسمان اگر رونا شروع کرے تو اس کے آنسو ختم ہو جائیں۔ اس سے بڑھ کر ستم ظریفی اور کیا ہو سکتی ہے ایک بھائی غربت و افلاس سے ایڑیاں رگڑ رہا ہے، پڑوس میں اس کا صاحبِ ثروت بھائی اس کی آہ و فریاد پر کان نہ دھرے۔ ان دونوں کا جانی دشمن ان میں سے ایک کو لوٹ کر دوسرے سے اس کا دین و ایمان گروی رکھوا کر اسی لوٹ کے مال میں سے اس کو بھیک دے۔ جہاں غیروں نے مسلمانوں کو لوٹنے میں کسر نہیں چھوڑی، وہیں مسلمان بھی اپنی تباہی کا سامان خود اپنے ہاتھوں سے کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں۔ امریکا اور یورپی ممالک کے بینکوں میں مسلمانوں کے آٹھ سو بلین ڈالرز ہیں، جبکہ آئی ایم ایف، ورلڈ بینک اور دوسرے عالمی مالیاتی اداروں نے مجموعی طور پر عالم اسلام کو جو قرضہ دیا ہے، وہ 619 بلین ڈالر ہے۔ گویا سارا قرض منفی کرنے کے بعد 181 ملین ڈالر اب بھی مسلمانوں کے ان کے پاس پڑے ہوئے ہیں۔ (1)

ذہنی حملہ جو مسلمان ممالک کے عازمین حج و زائرین کے ساتھ اہانت آمیز طریقے سے

1- ایک بار پھر یاد رہے کہ یہ اعداد و شمار دس سال پہلے کے ہیں۔ نئے اعداد و شمار اس سے کئی گنا زیادہ ہیں۔

پیش آتا ہے، غیر مسلموں کے سامنے بچھ بچھ جاتا ہے۔ اللہ کے گھر کی زیارت کی نیت سے آنے والے اکرام کے مستحق نہیں، ان کو لمبی لمبی قطاروں میں لگ کر اپنے پاکدامن ہونے کا ثبوت دینا پڑتا ہے اور غیر مسلم ان کے برابر سے بغیر کسی روک ٹوک کے گزرے چلے جاتے ہیں۔ ان مخصوص رنگ کے پاسپورٹوں کو دیکھتے ہی عملے کی پیشانی کی شکنیں ختم ہو جاتی ہیں اور سکڑے ہوئے ہونٹوں پر مسکراہٹ سج جاتی ہے۔ ان باتوں کو دیکھتے ہوئے جگر چھلنی ہو جاتا ہے، کلیجہ کٹ کٹ جاتا ہے، لیکن یہ افسوس ناک اور دردانگیز داستان ابھی ختم نہیں ہوئی۔

دنیا کا سب سے بڑا ظلم:

ظلم کی انتہا یہ ہے دنیا میں ہر چیز کی قیمت گزرتے دن کے ساتھ بڑھتی چلی جاتی ہے سوائے سعودی پٹرول کے۔ 1975ء میں یہ 45 ڈالر فی بیرل تھا، 1998ء میں 15 ڈالر فی بیرل ہے۔ مہربانوں نے ایسا چکر چلایا ہوا ہے اس کی قیمت بڑھنے کے بجائے گھٹتی چلی جاتی ہے۔ انہوں نے تیل پیدا کرنے والے عرب ممالک کی ایک تنظیم بنا کر ہر ملک کا ایک کوٹہ مقرر کیا ہوا ہے۔ ہر ملک پابند ہے وہ مخصوص مقدار سے زیادہ تیل پیدا نہ کرے تاکہ تیل کی رسد کم ہونے سے اس کی قیمت بڑھ نہ جائے اور انہیں زیادہ قیمت ادا نہ کرنی پڑے، لیکن کچھ عرصے کے بعد جب افراط زر کے سبب قیمت بڑھنے لگتی ہے تو وہ کسی ایک ملک سے زیادہ پیداوار نکلوا کر رسد کی مقدار زیادہ کروا دیتے ہیں۔ طلب کے مقابلے میں رسد زیادہ ہونے سے قیمت پھر گھٹ جاتی ہے۔ اس آنکھ مچولی کے ذریعے انہوں نے آج تک اپنی من مانی قیمتیں طے کر رکھی ہیں۔

(خلیج کے پٹرول کی پیداوار اور قیمتوں پر کنٹرول کے لیے تین بڑی عالمی طاقتوں کے اتفاق کی تفصیل کے لیے دیکھیے: دکتور حسین، النفط العربی و النظام العالمی

الجدید، مجلہ آفاق عربیہ، بغداد، مئی 1992ء ص56)

صرف سعودی عرب میں روزانہ دس ملین بیرل تیل نکلتا ہے اگر حساب لگایا جائے تو مسلمان روزانہ کئی کروڑ ڈالر کا نقصان اٹھا رہے ہیں۔ اسی گورکھ دھندے کے ذریعے دونوں ہاتھوں سے ملت مسلمہ کی دولت کو لوٹ کر انہی کے خلاف استعمال کیا جا رہا ہے۔ پھر اس پر بس نہیں، ان کی ساہوکارانہ ذہنیت انہیں اسی بے ایمانی پر اکتفا نہیں کرنے دیتی، یہ برائے نام قیمت بھی وہ نقد کی صورت میں ادا کرنے کے بجائے اپنے حفاظتی اقدامات کے عوض منہا کر لیتے ہیں، کیونکہ یہ تو ان کی ''بے لوث'' خدمات پر طے شدہ محنتانہ کا ایک حصہ ہے۔ پھر کثیر مقدار میں پٹرول مفت ہتھیانے کے بعد وہ نقد کی صورت میں اپنی افواج کے اخراجات بھی وصول کرتے ہیں۔

اب بھی!

اے مسلمانو! اب بھی تم اپنے آپ کو عقلمند اور ذی ہوش کہو گے! ایک دوسرے کے خلاف سازشیں کرنے میں تم کتنے زیرک اور ہوشیار ہو؟ اپنے مسلمان بھائیوں کو نیچا دکھانے کے لیے تم کیا کچھ نہیں کرتے؟ تمہیں کیا ہوا؟ تم صرف دشمن کے مقابلے میں ہی احمق، بزدل اور جاہل بن جاتے ہو!! کون سا حربہ ہے جو تمہارے خلاف استعمال نہیں کیا گیا؟ کون سی چال ہے جو تمہارے خلاف نہیں چلی گئی؟ اس کا جواب دینے کے بجائے تمہارے سارے منصوبے، ساری صلاحیتیں ایک دوسرے کے خلاف استعمال ہونے کے لیے ہیں۔ تمہاری طاقت اپنے مسلمان بھائی کا گلا دبانے کے لیے وقف ہے۔ اب بھی وقت ہے، اللہ کے بندو! اب بھی وقت ہے جو ہوا اس سے توبہ کرو۔ آیندہ کے لیے اپنی اصلاح کرو۔ دنیا کی محبت سے پیچھا چھڑا کر موت سے محبت کرنا سیکھو۔ شہادت کی طلب اور جنت کی تمنا دل میں بسا لو۔ توبہ کرنے والوں کے لیے اللہ کی رحمت کے دروازے اب بھی کھلے ہیں۔ غفلت میں

بدمست رہنے والے اس کے فضل کے مستحق نہیں ہو سکتے، غفلت کی زندگی چھوڑ دو۔ اللہ کے غضب وانتقام سے ڈرو۔ مہلت کی مدت ختم ہوئی جارہی ہے۔

بیسویں صدی کے تین اہم واقعات

یہود و نصاریٰ کی برپا کردہ تحریکوں اور خفیہ تنظیموں نے ماضی قریب میں جو گل کھلائے، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو سازشیں کیں، ان کی تفصیل تو اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں معلوم، لیکن ان کی سازشوں کے نتیجے میں گزشتہ صدی میں وقوع پذیر ہونے والے تین واقعات ایسے ہیں جو انتہائی خوفناک اور تباہ کن ہیں۔ ان کو ذکر کیے بغیر یہ موضوع مکمل نہ ہو گا۔

گزشتہ ایک سو سال میں عالم اسلام میں تین ایسی باتیں ہوئیں جو نہایت اہم اور غیر معمولی تھیں۔ ان کی اہمیت تاریخ کے تناظر میں بھی ہے اور دین کے تناظر میں بھی۔ یہاں ان کو مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

(1) خلافت عثمانیہ کا خاتمہ:

تاریخ اسلامی کا افسوسناک ترین واقعہ جو نہایت الم انگیز تھا اور بعض اہل نظر کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے بعد امت میں رونما ہونے والا سب سے دردناک واقعہ قرار دیا جا سکتا ہے، 1923ء میں رونما ہوا اور وہ تھا خلافت عثمانیہ کا خاتمہ۔ بچی کھچی خلافت خواہ وہ جیسی کچھ بھی تھی، اس کا خاتمہ ملت اسلامیہ کی تاریخ کا نہایت الم ناک واقعہ ہے جو اس صدی میں وقوع پذیر ہوا۔ ہم اس اعتبار سے نہایت بدقسمت ہیں ہمارے زمانے میں یہ دردناک حادثہ پیش آیا۔ اس سے قبل خلافت ایک بار معرض خطر میں آئی تھی، لیکن خلافت کا سارا نظام برقرار تھا۔ تقریباً نصف صدی تک مسلمانوں کے سر پر

خلیفۃ المسلمین کا سایہ نہیں رہا، مگر اسلامی زندگی اور مسلم معاشرہ عملاً بحال اور قائم تھے۔ مسلم معاشرہ کی ہیئتِ مقتدرہ اور قوتِ نافذہ حسب سابق بحال تھی اور عملاً کوئی خاص تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی، لیکن اس مرتبہ زمین پر اللہ کی نیابت اور مسلمانوں کی اجتماعیت و مرکزیت کا حامل یہ سارا نظام ہی درہم برہم ہوگیا۔ مسلمانوں کے سر سے یہ سائبان ایسا کھینچا گیا آج کی نئی نسلیں تو اس کے نام، اہمیت اور برکات وفوائد سے ہی نا آشنا ہیں۔

(2) قبلۂ اول کا چھن جانا:

تاریخ اسلامی کا دوسرا المناک واقعہ جو اس صدی میں رونما ہوا، وہ تھا قبلۂ اول کا مسلمانوں کے ہاتھوں سے جاتے رہنا۔

یادش بخیر! جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں یروشلم مسلمانوں کے ہاتھوں میں آیا تو ایک معاہدہ لکھا گیا۔ اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہایت واضح طریقے سے بعض امور طے فرمادیے تھے اور بعض اقوام کے سلسلے میں پالیسی منضبط فرمادی تھی۔ اس معاہدے کی اہمیت جہاں تاریخی اعتبار سے ہے، وہیں دینی اعتبار سے بھی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قرآن وسنت کا جو ادراک رکھتے تھے، اسلام کی جو معرفت انہیں حاصل تھی، اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کے سلسلے میں ان کا ذہن جس طرح کام کرتا تھا، اس کا غیر معمولی اظہار اس معاہدے میں ہوا۔ دیگر امور کے علاوہ آپ نے تحریر فرمایا:

"ولا یسکن بإیلیاء معھم أحد من الیھود"[1] (ایلیا میں ایک یہودی بھی نہ رہے) خلافت راشدہ کے بعد اس صورتحال میں تبدیلی بارہویں صدی عیسوی میں آئی لیکن اس معاہدے کا انہدام نہیں ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تحریر کردہ عہد نامہ اور بیت المقدس سے متعلق خلافت راشدہ کی پالیسی منہدم ہوئی تو اس صدی میں۔ 8491ء میں فلسطین میں

1- تاریخ طبری: 105/3

ایک غاصب ریاست اسرائیل کے نام سے ظہور میں آئی اور پھر اس ریاست کے ذریعہ ۱۹۶۷ء میں بیت المقدس مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھین لیا گیا۔ فلسطین کے چاروں طرف ایسی حکومتیں مسلط کی گئیں جنہوں نے رفتہ رفتہ اسرائیل کے وجود کو تسلیم کرلیا۔ اس کی تفصیل آپ گذشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں۔

(3) یہود و نصاریٰ کی ارضِ مقدس میں آمد:

تاریخ اسلام کا تیسرا دردناک واقعہ 1991ء میں رونما ہوا۔ یہ واقعہ تھا یہود و نصاریٰ کا عہد فاروقی کے بعد جزیرۂ عرب میں واپس آنا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أخرجوا اليهود و النصارى من جزيرة العرب." [1] اس حدیث میں وصیت کردہ حکم کی تعمیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمائی۔ اس عہد کے بعد ملت اسلامیہ کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے یہود و نصاریٰ پورے جاہ وجلال اور رعب داب کے ساتھ جزیرۂ عرب میں داخل ہوگئے۔ اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ پہلے لکھا جاچکا ہے کہ بعض اہلِ نظر کے نزدیک جنابِ رحمۃ اللعالمین ﷺ کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد یہ سب سے افسوسناک واقعہ ہے۔

تینوں واقعات ایک سلسلے کی کڑی ہیں:

یہ واقعات یعنی خلافت عثمانیہ کا خاتمہ، قبلۂ اول کا مسلمانوں کے ہاتھ سے چلا جانا اور جزیرۂ عرب میں یہود و نصاریٰ کا واپس آنا، بظاہر الگ الگ حادثات نظر آتے ہیں، لیکن در حقیقت ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ ان میں ایک ہی ذہن کی کارفرمائی ہے۔ یہ ایک ہی

1- مصنف ابن ابی شیبہ: 451/7،
دارمی: باب اخراج المشرکین من جزیرۃ العرب، 2498

حکمت عملی کا نتیجہ ہیں۔ یہاں آپ کے سامنے ایک واقعہ کا ذکر کیا جاتا ہے جس سے ان واقعات کا باہمی رابطہ بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ سلطنت عثمانیہ کے آخری دور میں خلافت عثمانیہ مغربی طاقتوں کے مقابلے میں نہایت کمزور ہو چکی تھی، اس کی مالی حالت خستہ تھی اور خلافت مقروض تھی۔ اس صہیونی وفد نے ان سے کہا اگر آپ بیت المقدس کا علاقہ اور فلسطین ہمیں دے دیں تاکہ یہودی وہاں آباد ہو سکیں، تو ہم سلطنت عثمانیہ کا سارا قرضہ ادا کر دیں گے اور مزید کئی ٹن سونا دیں گے۔ اس موقع پر سلطان عبدالحمید خاں نے دینی حمیت و غیرت کا ثبوت دیتے ہوئے جو ترکوں کا طرۂ امتیاز ہے، ایک ایسا جواب دیا تھا جسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کرے گی۔ سلطان نے اپنے پاؤں کی انگلی سے زمین کی تھوڑی سی مٹی کرید کر کہا:

''اگر یہ ساری دولت دے کر تم بیت المقدس کی اتنی سی مٹی بھی مانگو گے، تو ہم وہ بھی نہیں دیں گے۔''

اس صہیونی وفد کا سربراہ ایک ترک یہودی ''قرہ آفندی'' تھا۔ آپ کو یہ سن کر حیرت ہو گی چند ہی سالوں کے بعد جو شخص مصطفیٰ کمال پاشا کی طرف سے خلافت کے خاتمہ کا پروانہ لے کر سلطان کے پاس گیا، وہ کوئی اور نہیں یہی یہودی قرہ صوہ آفندی تھا۔

چاک کر دی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی دیکھ، اوروں کی عیاری بھی دیکھ!

یہاں اس واقعہ کا تذکرہ اس لیے کیا گیا ہے تاکہ قارئین کی سمجھ میں بخوبی آ جائے خلافت عثمانیہ کا خاتمہ، صہیونی حکومت کا قیام، بیت المقدس پر یہودیوں کا قبضہ اور کویت و سعودی عرب کے دفاع کے بہانے یہود و نصاریٰ کا جزیرۂ عرب میں آ جانا، الگ الگ واقعات نہیں، ایک ہی سازش کے مختلف مرحلے ہیں۔

کیا اس سازش کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے؟

یہاں پہنچ کر سوال پیدا ہوتا ہے کیا یہودیوں کی اتنی گہری اور زبردست سازش کے مقابلے کا کوئی امکان بھی ہے؟ اگر ہے تو اس کا طریق کار کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے یہودیوں کا یہ منصوبہ بلاشبہ نہایت خطرناک ہے، لیکن اس کا مقابلہ ممکن ہے اور اس کا توڑ مشکل نہیں۔ امتِ مسلمہ بآسانی اس کا مقابلہ کرسکتی ہے۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے اس امت کے پاس قرآن وسنت اصلی حالت میں موجود ہیں۔ جو قیامت کی صبح تک انسانی تاریخ کے ہر مرحلے میں، قرآن وسنت کی رہنمائی اس کو درپیش مسائل کے حل کے لیے کافی ہیں۔ نیز اس میں حق بولنے والے علماء ومشائخ ہمیشہ موجود رہتے ہیں اور زندگی کے تمام معاملوں میں ان کی راہنمائی کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔

قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ میں نہایت شرح وبسط کے ساتھ بنی اسرائیل کا ذکر ہے اور ان کی نفسیات سے متعلق ہمیں بہت کچھ بتایا گیا ہے۔ قرآن وحدیث سے جہاں یہ بات معلوم ہوتی ہے یہود اور ان کے حلیفوں سے اسلام اور مسلمانوں کی حتمی معرکہ آرائی مقدر ہے، وہیں ہمیں ان کی کمزوریوں سے بھی باخبر کیا گیا ہے۔ لہٰذا ہمارے پاس قرآن واحادیث کی شکل میں یہودیوں کی تاریخ، نفسیات، ان کے رویے کی بھرپور معلومات اور ان سے مقابلے کی تدبیریں موجود ہیں۔

مثلاً قرآن کریم میں سورہ جمعہ میں فرمایا گیا ہے: ''یہودی موت سے گھبراتے ہیں، وہ مرنا نہیں چاہتے۔'' قرآن کی یہ بات کس قدر صحیح ہے! اسے آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ حکومت اسرائیل اور تمام یہودیوں کے دل کا خوف دراصل موت کا خوف ہے۔ کروڑوں ڈالر کے نقصان پر ان کی پیشانیاں شکن آلود نہیں ہوتیں، لیکن ایک یہودی کی موت یا موت کا خوف انہیں گھبرا دیتا ہے۔ ان کی نیند غائب ہوجاتی ہے۔ وہ اپنے سر پر لٹکتی

موت کی تلوار کو ایسے دیکھتے ہیں جیسے کانی بھینس قصائی کو! اس کے برعکس مسلمان موت کو اپنے معبود اور محبوب سے ملاقات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ خصوصاً شہادت کی موت ان کے نزدیک خالق کی طرف سے اس کی مخلوق کے لیے سب سے قیمتی تحفہ اور سب سے بڑا انعام ہے۔ ان کے نزدیک اس سے بڑھ کر کوئی چیز باعثِ فخر نہیں، اعزاز و اکرام کا کوئی درجہ اس سے آگے نہیں۔ اسی کی تلاش میں وہ جان ہتھیلی پر لیے محاذوں کی خاک چھانتے ہیں۔ اس کے حصول کی تمنا دل میں بسائے وہ دشمنان اسلام سے دو دو ہاتھ کرنے کو بیتاب رہتے ہیں۔ یہی وہ مقدس جذبہ ہے جس کے ذریعے اس سازش کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ یہودی بھی اس بات کو بخوبی جانتے ہیں، لہذا وہ مسلمانوں کے ان افراد یا اداروں سے سب سے زیادہ گھبراتے ہیں اور انہیں زندہ رہنے کی اجازت تک دینے کو تیار نہیں، جو جہاد فی سبیل اللہ کی دعوت دیتے ہیں یا اس کی فرضیت سے مسلمانوں کو آگاہ کرتے ہیں۔

ہمارے اسلاف نے اسرائیلیات کیوں جمع کیں؟

ہم اپنے اسلاف میں ایک غیر معمولی بات دیکھتے ہیں، انہوں نے بنو اسرائیل سے متعلق ہر بات خواہ وہ کسی قسم کی ہو، جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ یہود و نصاریٰ سے متعلق قوی و ضعیف ہر طرح کی باتوں سے آگاہ رہتے تھے۔ ایسا لگتا ہے انہوں نے یہ سارا رطب و یابس اسی لیے جمع کر دیا ہے تاکہ ہم بنی اسرائیل کے متعلق پوری پوری معلومات رکھیں اور ان فتنوں سے محفوظ رہنے اور ان کا مقابلہ کرنے کی تدبیر کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے: انہیں اندیشہ تھا یہ امت یہود و نصاریٰ کے نقش قدم پر چلنے لگے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام چیزوں سے متنبہ کیا ہے جن سے یہودی مزاج، یہودی فکر اور یہودی تصورات و نظریات پیدا ہوں۔ نیز ان کے نقش قدم پر چلنے سے بچنے اور ان کے مقابلے میں کامیاب ہونے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت کارآمد

ہدایات بیان فرمائیں۔ان میں سے اہم ترین دنیا کی محبت سے بچنا اور شہادت کا شوق زندہ وتابندہ رکھنا ہے۔

اس سازش کے مقابلے کا واحد ذریعہ:

یہودی سوچ وطبیعت اپنانے سے بچنے، دنیا سے دل نہ لگانے کی بے مثال قوت کی حفاظت کی لیے جو حصار ہے، اس کی حفاظت کی ترغیب دلائی گئی۔ یہ امت کی تمام قوتوں کا سرچشمہ، تمام مشکلوں کا مداوا اور تمام دکھوں کا علاج ہے اور وہ ہے ''جہاد فی سبیل اللہ'' جسے "ذروۃ سنامہ" کہا گیا ہے۔ یعنی دین اسلام کا اعلیٰ ترین فریضہ۔ نیز جس کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

"الجهاد ماض مذ بعثنى الله إلى أن يقاتل آخر أمتى الدجال، لا يبطله جور جائر ولا عدل عادل." [1] ''(جس طرح میری نبوت تا قیامت باقی رہے گی اسی طرح) جہاد (بھی) روز قیامت تک جاری وساری رہے گا، یہاں تک کہ میری امت کے آخری لوگ دجال سے جہاد کریں گے۔ جہاد کو کوئی سازش، کوئی تدبیر ختم نہیں کر سکے گی۔'' چنانچہ وہ امور جن کے ذریعے اس سازش کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے، یہ ہیں:

(1) قرآن وسنت اور ان کے الفاظ وروح سے مکمل وابستگی اور دلی تعلق وفنائیت۔

(2) بنی اسرائیل یعنی امریکا ویورپ کے باسیوں کے افکار ونظریات سے اپنی اور اپنی نئی نسل کی حفاظت۔

(3) دنیا اور اس کی رنگینیوں سے بے رغبتی اور جہاد فی سبیل اللہ۔ جہاد فی سبیل اللہ سے مراد وہ جہاد ہے جس کا تذکرہ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے:

"لا يُكلَم أحدٌ فى سبيل الله، و الله أعلم بمن يُكلم فى سبيله، إلا جاء يوم

1۔ سنن ابی داود: 22/2، 426/7، السنن الکبری للبیہقی: 156/9

القیامة و جُرحُه یثعب دماً، اللونُ لونُ الدم، و الریحُ ریحُ المسك."[1]

ترجمہ: ''اللہ کے راستے میں جس کسی کو کوئی زخم لگتا ہے اور اللہ کو خوب معلوم ہے کہ کس نے اس کی رضا کی خاطر زخم کھایا ہے؟ تو وہ روزِ قیامت اس حال میں آئے گا کہ اس کے زخم سے تازہ تازہ خون بہہ رہا ہوگا۔ اس خون کا رنگ تو خون سا ہی ہوگا، لیکن اس سے خوشبو مشک کی پھوٹ رہی ہوگی۔''

اس تدبیر کے مؤثر ہونے کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ یہی وہ بات ہے، جس سے مغرب نے خلافت عثمانیہ کے سقوط کے بعد سے ہمیں الگ رکھنا چاہا۔ ان پر اس کے تصور سے ہی لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس کو بدنام کرنے اور اسے ایک وحشیانہ فعل قرار دینے کی بھرپور کوشش کی اور ہر طرح کے حربے آزمائے۔ انہوں نے خود مسلمانوں کے مابین ایسے افراد اور جماعتوں کو شہرت دی جو جہاد کو ممنوع یا ناپسندیدہ قرار دینا چاہتے تھے۔ نیز انہوں نے اسلام اور جہاد کو بدنام کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اس کے لیے اسلامی بنیاد پرستی (Islamic Fundamentalism)، اسلامی دہشت گردی (Islamic Terrorsim) اسلامی جنون (Islamic Fanaticism) اور اسلامی انتہاپسندی (Islamic Extremism) جیسی اصطلاحیں ایجاد کیں۔ مشرکین عرب نے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی مقدس جماعت کو بدنام کرنے کے لیے اور آپ کی دعوت میں رکاوٹ پیدا کرنے کے لیے آپ کو برے نام دیے۔ آپ کو شاعر، مجنون اور صابی کہا۔ آپ کے دشمن چاہتے تھے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کی تیار کی ہوئی صحابہ کرام کی مقدس جماعت بدظن اور بے زار ہو جائیں۔ چنانچہ آج مغرب نے وہی حربہ اختیار کیا ہوا ہے اس نے اسلام، مسلمانوں اور مجاہدین کو بدنام کرنے کے لیے اسلامی

1- صحیح بخاری: باب من یجرح فی سبیل اللہ 2649، مسلم: باب فضل الجہاد والخروج فی سبیل اللہ 4970

بنیاد پرستی، دہشت گردی، جنون اور شدت پسندی جیسے الفاظ واصطلاحات ایجاد کیے ہیں اور لوگوں میں اسے خوب خوب مشتہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ لوگ جہاد سے متنفر ہو جائیں۔ اس کو للّٰہیت اور بزرگی کے خلاف اور زہد وعبادت کے منافی سمجھیں۔ اس کو مقدس و مبارک حکم الٰہی اور پاکیزہ وبابرکت سنت سمجھنے کے بجائے اس کے نام سے خوف کھانے لگ جائیں۔

بیسویں صدی کا عدیم المثال واقعہ:

لیکن اس سب کے باوجود بیسویں صدی میں ایک عدیم المثال واقعہ پیش آیا جسے دنیا ''جہاد افغانستان'' کے نام سے جانتی ہے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کی یاد سے اہل ایمان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ ان کے قلوب حرارت ایمانی سے آتش فشاں ہو جاتے ہیں اور وہ اس کی برکات کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے لگتے ہیں۔ کمزور ایمان والوں کو بھی یقین آ جاتا ہے کہ مادیت پرستی کے اس زمانے میں بے سروسامانی کے باوجود محض ایمان کے ہتھیار سے لڑائی کیسے لڑی اور جیتی جاسکتی ہے۔ جہادِ افغانستان اس گئے گزرے دور میں قوت ایمانیہ اور نصرت الٰہیہ کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ جو لوگ سپر طاقتوں کی مادی ترقی، ذرائع اور وسائل کا علم رکھتے ہیں، وہ جہادِ افغانستان کو ایک معجزہ سے کم نہیں سمجھتے۔ یہاں میدانِ جہاد سے دور اس کا اندازہ کرنا دشوار ہے کس طرح افغان مجاہدین نے اپنی بے بضاعتی کے باوجود روس جیسی سپر طاقت کی کمر توڑ کر رکھ دی اور بالآخر اسے شکست سے دوچار ہو کر واپس جانا پڑا۔ یہ بعینہ اسی طرح کا واقعہ ہے جس طرح خلافت راشدہ میں کسریٰ کا ریزہ ریزہ ہو جانا اور خلافت عثمانیہ میں قیصر کا بکھر جانا۔ روس بھی اسی طرح ٹوٹ گیا جس طرح سلطنت فارس و روم کرچی کرچی ہوگئی۔ اس تشبیہ کی صداقت کی گواہی وہ افراد دے سکتے ہیں جنہوں نے جہاد افغانستان میں شرکت کی ہے یا اسے بہت قریب سے دیکھا ہے۔

متاعِ گم گشتہ کی بازیابی:

لیکن جہادِ افغانستان کی اہمیت کچھ اور بھی زیادہ ہے۔ افغانستان کے جہاد نے عالم اسلام کو نہ صرف تصور جہاد دوبارہ یاد دلایا، بلکہ ان کے قلوب کو لذتِ جہاد سے آشنا کر دیا۔ افغانستان میں صرف افغانستان کی بازیافت کی جنگ نہیں لڑی گئی، بلکہ حقیقت یہ ہے اس نے مسلمانوں کو ان کی متاعِ گُم گشتہ واپس دلوادی۔ افغانستان ساری دنیا کے مسلمانوں کی تربیت گاہ بن گیا۔ یہ تربیت گاہ اسلحوں کی تربیت گاہ سے زیادہ شوقِ جہاد اور فکرِ جہاد کی تربیت گاہ ثابت ہوئی۔ دنیا کا شاید ہی کوئی ملک ایسا ہو جہاں سے اہل ایمان پروانہ وار جہاد میں شرکت کے لیے افغانستان نہ آئے ہوں۔ ان کا آنا للہ، فی اللہ اور لوجہ اللہ تھا۔ دنیا کا کوئی براعظم، کوئی خطہ اور کوئی ملک ایسا نہ ہوگا جہاں کے دیوانے اس میں شامل نہ ہوئے ہوں۔ افغانستان کی کمیونسٹوں سے تطہیر کے بعد اب یہ فکر تمام عالم اسلام میں نشاۃ ثانیہ کے احیاء کی غرض سے جاری و ساری ہے۔

عالم اسلام پر واجب اہم ترین فریضہ:

میدان جنگ میں روس کی عبرتناک اور رسوا کن پسپائی کے بعد جب یہاں خلافت اسلامیہ کے احیا کے امکانات نظر آنے لگے تو عالمی طاقتوں نے مل کر اس کا راستہ روکنے کے لیے ایسی سازشیں کیں کہ الامان والحفیظ! ان کے تذکرے کے لیے پورا دفتر چاہیے۔ وہی مسلمان جنہیں ساری دنیا کے کمیونسٹ بلاک کے ممالک مل کر میدان جنگ میں شکست نہ دے سکے تھے، یہاں دشمن کی سازشوں کا شکار ہو گئے۔ افغانستان میں حقیقی اسلامی حکومت قائم نہ ہو سکی اور مسلمان رہنما اقتدار کی رسہ کشی میں مبتلا ہو کر جہاد کے حقیقی ثمرات دنیا کو نہ دکھا سکے، اس موقع پر چند بوریا نشین آگے آئے اور انہوں نے وہ نظام نافذ کیا جس کو دیکھنے کے لیے آسمان کی آنکھیں ترس گئی تھیں۔ ان کی غیر متوقع کامیابیوں اور کھری قیادت سے

مغرب لرزہ براندام ہے اور یہودیت کی صفوں میں ماتم برپا ہے۔ ان کی گزشتہ صدیوں میں کی جانے والی ہزارہا تدبیریں الٹ گئی ہیں۔ "یریدون لیطفؤوا نور اللہ بأفواههم، و اللہ متم نوره، ولو کره الکافرون." کا مصداق کھلی آنکھوں سے نظر آرہا ہے۔ اب ضرورت ہے عالم اسلام اپنی تمام تر صلاحیتیں اور وسائل اسلامی حکومت کی کامیابی اور استحکام کے لیے استعمال کرے تاکہ خلافت عثمانیہ کے سقوط سے مسلمانوں کی جو مرکزیت ختم ہوگئی تھی، وہ جنتِ گم گشتہ ان کو دوبارہ نصیب ہو جائے۔

عراق پر امریکی حملے کیوں؟

خدشات کی تصدیق:[1]

(یہ تحریر اور اس کے بعد والی دو تحریریں 1419ھ بمطابق 1998ء کے رمضان المبارک کے آغاز میں عراق پر کیے جانے والے امریکی و برطانوی حملوں پر لکھی گئیں۔)

آخر کار بلی تھیلے سے باہر آ گئی۔ منافقت کا پردہ چاک ہو گیا۔ یہودیت اور نصرانیت (امریکا و برطانیہ) کے مکروہ عزائم کھل کر سامنے آ گئے۔ جزیرۂ عرب کے مقدس ترین خطے کے ارد گرد بُنے جانے والے خطرناک سازشوں کے جال کے تانے بانے کچھ اور تنگ کر دیے گئے۔ خلافت اسلامیہ کو ساقط کرنے کے بعد، مسلمانوں کے مقدس ترین مقامات پر قبضہ کر کے انہیں "عظیم اسرائیلی ریاست" میں ضم کرنے کے عالمی یہودی منصوبے نے ایک اور اہم مرحلہ بآسانی طے کر لیا۔ باخبر ذرائع سالوں سے جو چیز امت مسلمہ کو باور کرانا چاہتے تھے، حالیہ بدترین دہشت گردی نے ایک رات میں اس کی تصدیق فراہم کر دی۔ گزشتہ بدھ اور جمعرات کی درمیانی شب راندۂ درگاہ یہودیوں اور صلیبی عیسائیوں کی نمائندہ، دو عالمی دہشت گرد طاقتوں نے مل کر ٹھیک اسی روز مسلمانوں کے مقدس مقامات پر

1- یہ تحریر عراق پر حملوں کے پس منظر اور اصل اسباب کو سمجھانے کے لیے 1998ء میں لکھی گئی تھی۔ آج 2012ء میں 13 سال گزرنے کے بعد ان وجوہات و خدشات کی مکمل تصدیق ہو گئی ہے۔ امریکی افواج صدر صدام کی شہادت اور تیل کے کنوؤں پر مکمل اور محفوظ تسلط حاصل کرنے کے بعد واپس کا اعلان کر کے جا چکی ہیں، لیکن اسرائیل کا تحفظ، حرمین کے گرد گھیرا تنگ کرنے اور مسلم ممالک کی معدنی دولت پر تسلط کی راہ ہموار کرنے جیسے مقاصد کی طرف ان کی پیش رفت کسی سے مخفی نہیں۔

مشتمل تاریخی شہر بغداد پر رات کی تاریکی میں اچانک حملہ کر دیا، جس دن امریکی صدر کا جنسی بے راہ روی کے الزام میں مواخذہ ہونے والا تھا۔ اس حملے میں انتہائی بے دردی اور سفاکی کے ساتھ مسلمانوں کی شہری آبادی پر کروز میزائل برسائے گئے۔ پھر نہتے اور مظلوم عراقی مسلمانوں کو دی جانے والی اس وحشیانہ سزا کو ناکافی سمجھتے ہوئے ان پر ساتھ ساتھ بی باون (B-52) بمبار طیاروں سے بمباری بھی کی گئی۔ اسی پر بس نہیں صدرِ امریکا نے کھلے بندوں کہا: عراق پر مزید فضائی حملے جاری رہیں گے اور اس کے لیے کوئی ڈیڈ لائن مقرر نہیں کی گئی ہے۔ کیوں؟ اس لیے عراق کے پاس کیمیاوی، حیاتیاتی اور جراثیمی ہتھیار موجود ہیں۔ کیا خود امریکا کے پاس یہ ہتھیار موجود نہیں؟ کیا اس نے یہ ہتھیار جاپان کے خلاف استعمال نہیں کیے؟ کیا عراق کے پڑوس میں امریکا کے پروردہ اسرائیل نے انہی ہتھیاروں کا ذخیرہ نہیں کر رکھا؟ کیا خود امریکا نے اسرائیل کو ان ہتھیاروں کی فراہمی اور تیاری میں بھرپور مدد نہیں دی؟ کیا دنیا کے دوسرے ممالک پر یہ ہتھیار رکھنے کے جرم میں اس عالمی پولیس نے کوئی دفعہ نافذ کی ہے؟

عذرِ گناہ بدتر از گناہ:

کہا جاتا ہے پڑوسی ممالک کو ان ہتھیاروں کی موجودگی سے خطرہ لاحق ہے۔ سنا اے مسلمانو! ''خطرہ لاحق ہے۔'' وہی امریکا جس کے کان پر مقبوضہ کشمیر میں طویل عرصہ سے جاری درندگی پر بار بار اپیلوں کے باوجود جوں تک نہیں رینگتی۔ وہی یہودی تھانیدار جو کوسوو و میں بھیڑیوں کے غول میں گھرے ہوئے بے کس مسلمانوں پر سربوں کی سربریت دیکھ کر ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ جسے نہ بوسنیا و چیچنیا کے مسلمانوں کی حالت زار دکھائی دیتی ہے نہ سانحہ مزار شریف کے مظلوم شہدا کی خاک و خون میں تڑپتی بے گور و کفن لاشیں۔ نہ ہندو کے برپا کیے ہوئے ظلم پر اس کی مسلم ہمدردی کی رگ پھڑکتی ہے نہ متعصب عیسائیوں کے ڈھائے

جانے والے ستم پر اس کے جذبہ عدل و انصاف کو جوش آتا ہے۔ مسلمانوں کا یہی ہمدرد، غم خوار اور غمگسار امریکا مسلمانوں کی نسل کشی کے بالفعل جاری اور زیرِ عمل منصوبوں کو تو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر لیتا ہے، لیکن اس مسلمان کو اگر دوسرے مسلمان سے ''خطرہ لاحق'' ہو جائے تو وہ راتوں رات خطرے کا امکان پیدا کرنے والے ملک پر چڑھ دوڑتا ہے۔ اس کے لیے نہ اسے سلامتی کونسل سے قرارداد پاس کروانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، نہ خطرے کا سبب بننے والے ''ظالم اور جارح'' کو کسی قسم کے انتباہ کی حاجت۔ وہ مسلمان جن کے تحفظ کے لیے اسے مجبوراً یہ کارروائی کرنا پڑتی ہے ان کو تو موہوم خطرے سے بچانے کی اسے حد درجے کی فکر اور بے انتہا تڑپ ہوتی ہے، لیکن اس کی کارروائی کے نتیجے میں جو مسلمان یقینی طور پر مارے جائیں گے، جو آبادیاں لازمی طور پر تباہ و برباد ہوں گی، اس کی نہ اس کو غم ہے نہ پروا۔ سربریت وسفاکی کی اس سے زیادہ بدترین مثال کوئی اور ہوسکتی ہے؟

امریکا نے اس حملے کے جواز میں یہ تاویل گھڑی ہے عراق نے معائنے کے بعض مواقع پر اقوام متحدہ کی معائنہ ٹیم کے ساتھ تعاون نہیں کیا۔ جبکہ اخباری اطلاع کے مطابق اس ٹیم نے 18 نومبر کے بعد 300 سے زائد معائنے کیے جن میں سے عرق نے صرف پانچ واقعات میں ٹیم کی توقعات کے مطابق اس سے تعاون نہیں کیا۔ کیا فی الواقع ''بعض مواقع'' میں ''توقعات کے مطابق'' تعاون نہ کرنا عراق کا اتنا بڑا جرم تھا کہ 8 سال سے طرح طرح کے مصائب جھیلنے اور اقتصادی ناکہ بندی کا سامنا کرنے والے مظلوم عراقی عوام کو کسی پیشگی اطلاع یا انتباہ کے بغیر سیکڑوں کروز میزائلوں اور تباہ کن بموں کا نشانہ بنا لیا جاتا؟ اس کے دفاعی اور مواصلاتی نظام، صدارتی محلات، اہم سرکاری عمارتیں، صنعتی مراکز اور یونیورسٹیاں تباہ کر دی جاتیں ہیں، حتیٰ کہ ہسپتال اور خوراک کے گودام بھی نہ بخشے جاتے۔

بے گناہ شہری آبادی کو دن رات بے دریغ خوفناک تباہی پھیلانے والے میزائلوں کے نشانے پر رکھ لیا جاتا۔ اس موقع پر انسانی حقوق کے علمبرداروں کو نہ فاقہ زدہ اور مناسب خوراک وعلاج سے محروم عوام کا کوئی خیال آیا اور نہ رمضان المبارک کے مقدس مہینے کا کوئی احترام۔ (وہ مسلمانوں کو انسان سمجھیں تو انسانوں جیسے حقوق دیں، ان کی تعریف کے مطابق تو مسلمانوں کا شمار انسانوں میں ہی نہیں ہوتا، انسان کی تعریف میں ان کے نزدیک کئی ایسی شرائط ہیں جن پر مسلمان پورے نہیں اتر سکتے) اور پھر تکبر وغرور سے بھرے لہجے میں یہ اعلان کیا گیا: ''رمضان کی اہمیت کے باوجود حملے جاری رہیں گے اور یہ بات صرف حالیہ حملوں پر ختم نہیں ہوگی۔'' (روزنامہ جنگ، ہفتہ، 19 ستمبر 98ء)

جاننے والے جانتے ہیں نہ عراق سے پڑوسی مسلم ممالک کو کوئی خطرہ ہے اور نہ عراق کے پاس جراثیمی یا کیمیاوی ہتھیار موجود ہیں۔ بغداد میں متعین ایک سابق امریکی سفیر ایڈورڈ پیک کے مطابق عراق کے پاس وہ آلات ہی نہیں ہیں جن سے وہ ان ہتھیاروں کو استعمال کر سکے۔ اصل بات یہ ہے جس طرح اندرا گاندھی اپنے اقتدار کو خطرے میں دیکھ کر پاکستان کے حملے کا ہوا کھڑا کر دیتی تھی یا سرحدی جھڑپیں شروع کروا دیتی تھی، اسی طرح امریکا کے یہود نواز صدر نے (باخبر ذرائع کے مطابق بل کلنٹن یہودیوں کے ایک عالمی کلب کا رکن ہے۔ اسرائیل کے دورے کے دوران اخباروں میں چھپنے والی اس کی وہ تصویر پوری دنیا نے دیکھی جس میں وہ مخصوص طرز کی یہودیوں کی مذہبی ٹوپی پہنے کھڑا ہے) اپنی حکمرانی کو خطرے میں دیکھ کر عین مواخذے والے روز امریکی عوام کی توجہ مبذول کروانے کے لیے یہ بھونڈا اور ہولناک کھیل کھیلا۔ اس کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے وائٹ ہاؤس کے سامنے امریکی فوجیوں کی بیویوں کا زبردست مظاہرہ ہوا ہے، جس میں انہوں نے پرزور شکایت کی صدر نے اپنے آپ کو مواخذے سے بچانے کے لیے ہمارے شوہروں اور

بیٹوں کو جنگ میں جھونک دیا ہے۔

جدید دنیا کی جانبدارانہ سوچ:

قارئین نے مظاہرہ کرنے والوں کی سوچ ملاحظہ کی۔ ان روشن خیال اور بلند ہمت خواتین کو اپنے شوہروں اور بیٹوں کی تو فکر ہے جو عراق کے جوابی حملے کی پہنچ سے دور محفوظ پناہ گاہوں میں، حفاظتی حصار میں گھرے ہوئے، مسلمانوں پر حملے کر رہے ہیں، لیکن ان نہتے، لاچار، بے بس اور بے قصور مسلمانوں کی کوئی پروا نہیں جو ناکردہ گناہوں کی اتنی ہولناک سزا بھگت رہے ہیں۔ بعض مظاہرین نے تو اپنے عظیم المرتبت صدر پر عجیب عجیب جملے اور دلچسپ پھبتیاں بھی کسی ہیں، جو یہاں نقل نہیں کی جا سکتیں۔ خلاصہ یہ کہ ہر باشعور شخص جانتا ہے اقتدار کے رسیا حکمران نے اپنے ذاتی مفاد کے لیے یہ ظالمانہ اور جابرانہ اقدام کیا ہے۔

خونِ مسلم کی ارزانی:

مسلمانو! کیا تمہارا خون اتنا ہی سستا ہو گیا ہے کہ کبھی ہندو بنیا اپنی کرسی بچانے کے لیے تمہارے خون سے ہولی کھیلے اور کبھی یہودی اپنی بدکرداری پر پردہ ڈالنے کے لیے تمہارے خون سے ہاتھ رنگے؟ کیا تمہاری جانیں اتنی کم قیمت اور بے اعتبار ہو گئی ہیں ایک صیہونی شہوت پرست جب ایک یہودن سے منہ کالا کرے تو اپنے چہرے کی کالک مٹانے کے لیے تمہارے خون سے بپتسمہ لے؟ کیا صلاح الدین ایوبی کے وارث اتنے ہلکے، اتنے سستے اور اتنے ارزاں بھی ہو سکتے ہیں؟ کیا ذلت کی اس کے بعد بھی کوئی حد ہے جس تک پہنچنے سے پہلے تمہیں ہوش نہیں آئے گا؟ کیا پستی کی اس سے نیچے بھی کوئی گہرائی ہے جس میں پہنچ جانے کے انتظار میں تم شتر مرغ کی طرح آنکھیں اور کان بند کر کے ساکت و صامت بیٹھے ہو؟

جرمِ ضعیفی کی سزا:

بات صرف اتنی نہیں ''جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات'' ہے، یہاں ضعیفی سے بڑھ کر کئی خطرناک جرائم کے مسلمان اجتماعی طور پر مرتکب ہو رہے ہیں۔ وہ ہیں غفلت، بے حسی، بے حمیتی اور بزدلی۔ مسلم میڈیا عرصے سے واویلا مچا رہا ہے بیرونی افواج محافظ نہیں، ڈاکا زن ہیں۔ محافظ کے روپ میں نقب زنی کرنا چاہتی ہیں۔ ان کی نظریں صرف تمہاری تیل کی دولت پر نہیں، مقدس مقامات پر بھی ہیں۔ آسان لفظوں میں یوں سمجھو وہ تمہاری دنیا لوٹنے کے ساتھ دین بھی تباہ و برباد کر رہی ہیں۔ حالات مدت سے تمہیں جھنجھوڑ رہے ہیں جزیرۂ عرب اور اطراف و اکناف میں یہودی اور نصرانی مل کر اپنے پنجے گاڑ چکے ہیں۔ سرزمین عرب میں اسرائیل کے زہریلے پودے کی کاشت ان کے منصوبوں کی انتہا نہیں ابتدا تھی۔ اس کا اگلا مرحلہ گریٹر اسرائیل ہے۔ اس سب تنبیہ و پکار، آہ و فریاد کے باوجود کبھی تمہیں یہ فریاد شدت پسندی نظر آتی ہے اور کبھی یہ تحریر غیر حقیقت پسند۔ اچھے اچھے سمجھ بوجھ اور فہم و فراست رکھنے والے بھی اس پکار و فریاد کو بے معنی اور بے محل قرار دیتے ہیں۔

حج و عمرے کی سہولت، حرمین کے تحفظ کی ضمانت نہیں:

ان غفلت اور خوش فہمیوں کے مارے ہوؤں کو سال میں عمرہ یا دو چار سال میں حج کرنے کا جو موقع مہیا ہے، یہ اسی کو بے خوفی کا سہارا اور تحفظ کی ضمانت سمجھے بیٹھے ہیں۔

ملّا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد!

نادانو! بات چیت کے ذریعے مسائل کے حل پر زور دینے والوں نے خلیج کے اردگرد آٹھ طیارہ بردار بحری جہاز کس لیے کھڑے کر رکھے ہیں؟ دنیا کے مختلف خطوں میں مسلم ممالک کو درپیش جارحیت کے ازالے کے لیے مذاکرات کی میز سجانے پر اکتفا کرنے

والے، عراق کو سبق سکھانے کے لیے اتنی چستی اور چابکدستی کیوں دکھا رہے ہیں؟ امن کے داعی، قطر میں ایشیا کا سب سے بڑا ہوائی اڈہ کس کی دلداری کے لیے تعمیر کر رہے ہیں؟ حماس کو جنگ بندی کا مشورہ دینے والوں نے دن رات B-52، F-18، فینٹم اور ٹرنیڈو جیسے جدید ترین طیاروں کے ذریعے بھاری بمباری کس لیے شروع کر رکھی ہے؟ یاد رکھو! اس کا مقصد عراق کو کسی جارحیت سے باز رکھنا نہیں، نہ عرب ریاستوں کی حفاظت کا انہیں شوق ہے، ان کا ایک ہی مقصد ہے، تمہاری دولت پر قبضہ جمانا اور فلسطین کی طرح بقیہ مقامات سے تم کو محروم کرنا۔ ایک مظلوم و مقہور ملک سے کسی کو کیا خطرہ ہو سکتا ہے؟ جنگ کی ماری ہوئی اور بھوک و افلاس کی ستائی ہوئی قوم امریکا کا کیا بگاڑ سکتی ہے؟ اس طرح کے شواہد و قرائن کی بنا پر اصحاب بصیرت اس پہ اصرار کرتے ہیں کہ یہ محض سیاست ہے کہ وقفے وقفے سے جنگ کی فضا پیدا کر کے عالمِ اسلام کو کمزور کیا جائے۔ اس پر رفتہ رفتہ اپنی گرفت مضبوط کی جائے۔ اپنے تحفظ سے عاجز لیکن وسائل رکھنے والے امیر عرب ممالک کو فرضی حملوں کا ڈراوا دے کر لوٹا جاتا رہے۔ نیز اس بہانے خلیج میں اپنی موجودگی کا جواز برقرار رکھا جائے۔

امریکی حملوں کے مقاصد:

عراق پر حملوں سے جہاں ایک طرف امریکا اور اس کے اتحادی یہ سارے مفادات حاصل کرتے ہیں، وہیں ان کا ایک اور مقصد بھی ہے۔ وہ یہ کہ خلیج میں ایسا کوئی مسلمان ملک باقی نہ رہنے دیا جائے جو ان کے منصوبوں میں کسی قسم کی مزاحمت کر سکے۔ اس خطے میں عراق ہی قابل ذکر طاقت تھی جس پر پہلے اسرائیل نے حملہ کر کے اس کے ایٹمی پلانٹ کو تباہ کیا۔ رہی سہی کسر امریکا اور اس کے اتحادیوں نے خلیج کی جنگ میں پوری کر دی۔ اب اسے مکمل طور پر مفلوج اور اپاہج بنانے کے لیے یہ تازہ قضیہ چھیڑ دیا گیا ہے۔ پھر اس کے بعد .... اس کے بعد کے مرحلے کا تصور کرتے ہی دل ہول کھانے لگتا ہے۔ جن مسلمانوں

نے بغداد شریف کی عقیدت میں اس کی طرف منہ کر کے پڑھی جانے والی "صلوٰۃ بغدادیہ" تک ایجاد کرلی، وہ بغداد کی تباہی پر ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ ان سے بعید نہیں قبلہ اوّل چھین لینے کے بعد (معاذ اللہ) قبلہ ثانی پر بھی تجاوز ہو اور وہ اسی طرح کی خوش فہمیوں، مجرمانہ غفلتوں اور حماقتوں میں دھت رہیں۔

فیصلہ کن معرکہ:

غیور مسلمانو! عراق پر حملہ نے آخری معرکے کا بگل بجادیا ہے۔ عرصے سے جاری خفیہ سرد جنگ کے فیصلہ کن مرحلہ کے لیے نقارے پر چوٹ پڑ چکی ہے۔ مغرب تمہاری بے حسی اور دنیا پرستی سے مطمئن ہو کر اپنے مکروہ منصوبوں کو فیصلہ کن موڑ تک لے آنے کے لیے پر تول رہا ہے۔ ابھی مہلت ہے خوش فہمیوں کی دنیا سے نکلو۔ تاویلیں گھڑنا چھوڑ دو۔ اللہ نے مسلمان کی عزت وعظمت اسلحے سے محبت اور شہادت سے الفت میں رکھی ہے، تم ان سے منہ موڑ کر بہت رسوا ہو چکے۔ شہادت سے عشق کا ناطہ پھر سے استوار کرلو۔ آپس کے اختلافات کو بھلا کر متحد ہو جاؤ۔ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اتباعِ سنت کا علم لے کر اٹھو اور عرب کی مقدس سرزمین کو پاک کردو۔

آج امت مسلمہ ایک فیصلہ کن موڑ پر کھڑی ہے.......... جو فیصلہ آج کیا جائے گا، اسی پر اس کے مستقبل کا انحصار ہوگا۔ یہ تاریخ کا ایسا ہی لمحہ ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے ایک لمحے کی غلطی صدیوں کی راہ کھوٹی کر دیتی ہے۔ ع

یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد

اب چشمِ فلک منتظر ہے مسلمان اپنی زندگیوں کا رخ بدل کر گم گشتہ عزت وعظمت کو دوبارہ حاصل کرتے ہیں یا اب بھی غفلت اور بے حسی میں بدمست رہتے ہوئے عبرتناک انجام سے دوچار ہوتے ہیں۔

بارود کی بارش میں موت کا غسل

رمضان کا بابرکت اور مقدس مہینہ اس مرتبہ عالم اسلام کے لیے عجیب ترین صورتحال اپنے جلو میں لیے ہوئے طلوع ہوا۔ عین سحری کے وقت جبکہ مسلمان ذکر و عبادت، تہجد اور روزے کی تیاریوں میں مصروف تھے، بغداد پر شدید بمباری اور میزائلوں کے تباہ کن حملے ہوتے رہے۔ مسلسل چار روز تک جاری رہنے والی آتش و آہن کی اس خونی بارش کے دوران جنگی طیاروں نے 600 پروازیں کیں، 500 میزائلوں کے ذریعے 100 اہداف کو نشانہ بنایا گیا۔ سینکڑوں روزہ دار مسلمانوں کو ہلاک، بے شمار کو زخمی کرنے اور متعدد عمارتوں کو کھنڈر میں تبدیل کر دینے والے اس دردناک اقدام کے اختتام پر اعلان کیا گیا: ''آپریشن ڈیزرٹ فاکس'' 70 گھنٹے کے پلان کے مطابق مکمل کر لیا گیا ہے۔ مسلمانوں کے ازلی دشمن صہیونیوں اور صلیبیوں نے اس آپریشن کے دوران اہداف تقسیم کر کے اہم مقامات پر حملے کیے۔ ذرائع ابلاغ کی رپورٹوں کے مطابق برطانوی وزیر دفاع برطانوی طیاروں کی طرف سے عراق پر فضائی حملوں کی تفصیلات بتاتے ہوئے کہا: ''برطانوی ٹورنیڈو اور فیلٹم طیاروں نے عراق کے فضائی دفاعی نظام کے مراکز، کمان اور کنٹرول نیٹ ورک، صدر صدام کے محلات اور ریپبلکن گارڈ کو نشانہ بنایا، جبکہ امریکی کروز میزائلوں نے فوجی ٹھکانوں ہتھیار تیار کرنے کی فیکٹریوں اور اہم دفاعی تنصیبات کو نشانہ بنایا۔''

(روزنامہ جنگ، ہفتہ، 19 دسمبر 1998ء)

عراق کو بارود کی بارش میں موت کا غسل دینے کی اس ہولناک کاروائی کے بعد کہا گیا:

ان حملوں کے ذریعے عراق کے کیمیاوی و جراثیمی ہتھیاروں کا پروگرام کئی برس پیچھے دھکیل دیا گیا ہے اور مطلوبہ مقاصد حاصل ہو گئے ہیں، لیکن ابھی اس اعلان کی سیاہی سوکھنے بھی نہ پائی تھی آیندہ حملوں کی دھمکی دے دی گئی جس کے جواز کے طور پر کہا گیا ان حملوں کے بعد عراق تیزی سے کیمیائی اور حیاتیاتی ہتھیار بنانے کی کوشش کرے گا جسے روکنے کے لیے مزید حملے ضروری ہیں۔ امریکا کی یہودی وزیر خارجہ میڈین البرائٹ نے کہا: ''رمضان کے بعد عراق کے مہلک ہتھیاروں کو تباہ کرنے کا نیا راؤنڈ شروع کیا جا سکتا ہے تا کہ عراق کی جارحیت سے اس کے پڑوسیوں کو محفوظ رکھا جا سکے۔''

کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں:

مسلم امہ کے ہمدردوں، خیر خواہوں اور محافظوں کی طرف سے کیے گئے اس آپریشن کے پیچھے کون سے خفیہ مقاصد کار فرما تھے؟ اس پر تو شواہد اور حوالوں کے ساتھ گفتگو بعد میں ہوگی، پہلے چند ان باتوں کو ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو ان چند دنوں کے دوران وقوع پذیر ہوئیں اور عالمی ذرائع ابلاغ نے انہیں نشر کیا۔ ان پر غور کرنے سے حیرت انگیز انکشافات اور افسوسناک صورتحال سامنے آتی ہے۔

مغربی طاقتوں کی باندی:

(1) بین الاقوامی مغربی نشریاتی اداروں کی رپورٹوں کے مطابق عراق میں ہتھیاروں کا معائنہ کرنے والی ٹیم کے ایک رکن کے حوالے سے انکشاف کیا گیا: ''عراق پر حملوں کا جواز پیدا کرنے کے لیے اقوام متحدہ کے معائنہ کاروں کی ٹیم کے سربراہ مسٹر بٹلر کو امریکا کی جانب سے بطور خاص یہ کردار سونپا گیا تھا وہ اپنی حرکتوں کے ذریعے عراق کو اشتعال دلا کر کوئی جواز پیدا کرے جسے بنیاد بنا کر اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل سے عراق پر حملوں کے لیے فیصلہ کرایا جا سکے۔'' (روزنامہ جنگ، 25 ستمبر 1998ء) بعد ازاں جب یہ شخص اپنے

مقصد میں کامیاب ہو گیا تو عراق کے خلاف جارحیت کے ارتکاب کے لیے سلامتی کونسل سے رجوع کرنے کا تکلف بھی گوارا نہ کیا گیا۔ اس نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کو رپورٹ دینے کے بجائے براہ راست صدر امریکا کو رپورٹ دی عراق اپنے مزعومہ ہتھیاروں کے مراکز کا معائنہ کرنے میں پوری طرح تعاون نہیں کر رہا۔ رپورٹ ملنے کی دیر تھی اقتدار اور طاقت کے نشے میں بدمست اور جزیرۂ عرب پر صہیونی غلبے کے منصوبے پر عمل پیرا امریکا نے عراق کے اس سنگین جرم پر اس کی گوشمالی کے لیے توپوں کے دہانے کھول دیے۔ کہاں تو یہ حال ہے اقوام متحدہ بھارت و اسرائیل سے سلامتی کونسل کی متفقہ طور پر منظور شدہ قراردادوں پر بھی عمل نہیں کروا سکتی اور کہاں یہ ظلم ہے اس کے سامنے قرارداد پیش کرنے اور منظور کروائے بغیر سالوں کی اقتصادی ناکہ بندیوں کے شکار ملک پر خوفناک میزائلوں اور بموں کے حملے کا تانتا باندھ دیا گیا اور مغربی طاقتوں کی یہ باندی (اقوام متحدہ) اس کا رسمی سا نوٹس بھی نہ لے سکی۔ اقوام متحدہ کو امن و سلامتی کا ضامن سمجھنے والے سادہ دل مسلمانو! یہ سارا گورکھ دھندا تمہیں قابو میں رکھنے کے لیے کیا گیا ہے، کفر ایک ملت ہے تم بھی اس کے مقابلے میں ملت واحدہ بن جاؤ۔

چند دلسوز خبریں:

(2) عین ان دنوں جبکہ ایک فرضی خطرے سے پڑوسی ممالک کو بچانے کے لیے عراق کے معصوم عوام پر مجنونانہ بمباری جاری تھی، مندرجہ ذیل واقعات ذرائع ابلاغ نے رپورٹ کیے۔ ان کی سنگینی کا موازنہ عراق کے موہوم جرم سے کیا جائے اور پھر دیکھا جائے ان کا سدباب کرنے کی ادنیٰ سی کوشش بھی نہ ہو اور عراق پر اندھا دھند حملوں کی بھرمار ہو، جبکہ عراق کے خلاف حملے کے لیے زمین کے استعمال کی اجازت دینے سے سعودی عرب تک نے انکار کر دیا جس کو سب سے زیادہ صدر صدام سے خطرہ ہو سکتا ہے اور ان عیسائی ممالک

کی دہشت گردی رکوانے کے لیے پورا عالم اسلام مطالبے کر رہا ہے۔ ان سب باتوں کو سامنے رکھ کر تھوڑا سا بھی سوچا جائے تو عالمی طاقتوں کے اصل عزائم کا اندازہ لگانا مشکل نہیں رہتا۔

انسانیت کو شرمادینے والی وہ خبریں یہ ہیں:

(الف) اقوام متحدہ، نیٹو اور امریکا کے تمام تر دعووں اور دھمکیوں کے باوجود کوسووو میں بے گناہ البانوی نژاد مسلمانوں کا قتل عام جاری ہے۔ عالمی طاقتیں اور اقوام متحدہ سربوں اور یوگوسلاویہ کی فوج کو مسلمانوں کے قتل عام سے نہیں روک سکیں۔ اگلے روز یوگوسلاویہ کے فوجیوں نے سرحدی علاقوں میں 30 مسلمانوں کو گولی مار کر شہید کر دیا وہ کوسووو میں داخل ہو رہے تھے۔ (روزنامہ جنگ: 22 دسمبر 1998ء)

(ب) کوسووو کے ایک ہوٹل میں عیسائیوں نے 6 مسلمانوں کو گولی ماردی۔ وہ اس وقت ہوٹل میں کھانا کھا رہے تھے۔ اب تک کوسووو کے ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کو شہید کیا جاچکا ہے، لیکن اقوام متحدہ اور امریکا نے سربوں اور یوگوسلاویہ کی فوجوں کی اس دہشت گردی کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ یہ صورتحال مسلمانوں کے خلاف مغربی طاقتوں کی عصبیت کا مظہر ہے۔ (روزنامہ امت: 22 دسمبر 1998ء)

(ج) دو اسرائیلی جنگی طیاروں نے جنوبی لبنان میں حزب اللہ کے ٹھکانوں پر بمباری کی۔ وائس آف امریکا کے مطابق حملہ آور طیارے بحفاظت واپس پہنچ گئے ہیں ایک خاتون سمیت 6/افراد شہید ہو گئے۔ (روزنامہ امت: 23 دسمبر 1998ء)

ایک طرف ان لرزہ خیز واقعات پر کوئی نوٹس نہیں لیا گیا اور دوسری طرف عراق کی طرف سے جارحیت کے موہوم اندیشے کو بہانہ بنا کر اس پر ایسے تابڑ توڑ حملے کیے گئے جو ہلاکو خان کے سقوط بغداد کے موقع پر کیے گئے مظالم کو بھی شرما دیں۔ یہ سب کچھ امت مسلمہ کو

بہت کچھ سوچنے پر مجبور کرتا ہے بشرطیکہ اس کے پاس اسلام کی تڑپ رکھنے والے دل اور سوچنے کے لائق دماغ موجود ہوں۔

مسلمانوں کے لیے رمضان کا تحفہ:

(3) بی بی سی کے مطابق امریکی فوجیوں نے عراق پر فائر کیے جانے والے گائیڈڈ میزائلوں پر جلی حروف میں لکھ رکھا تھا: ''رمضان کا تحفہ'' امریکی حکومت نے اس حرکت میں چھپی مسلم دشمنی اور بغض وحسد پر پردہ ڈالنے کے لیے کہا: ''یہ فوجیوں کی ذاتی کاروائی تھی، امریکی حکومت کی طرف سے ایسی ہدایت نہیں کی گئی۔'' لیکن اگلے ہی روز عالمی ذرائع ابلاغ نے امریکی وزیر دفاع کی عراق پر حملہ کرنے والے جہاز پر خوشی سے رقص کرتے ہوئے تصویر جاری کی، جس سے امریکی تاویل کا پول کھل گیا اور ذمہ دار عہدیدار کی طرف سے کی جانے والی اس حرکت سے اس بات کا برملا اظہار ہوگیا ہے یہ حملہ محض ضابطے کی کاروائی نہ تھی، بلکہ اس کے پیچھے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ عداوت وکینہ کا جذبہ کارفرما تھا۔ یہ سب کچھ مسلمانوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہونا چاہیے۔

عالم اسلام کی بے حسی:

(4) حملے کے ان دنوں میں جبکہ بغداد، بصرہ اور تکریت خون میں نہائے ہوئے تھے، عالم اسلام کی طرف سے افسوسناک بے حسی کا مظاہرہ دیکھنے میں آیا، نہ کسی حکومت نے کوئی قابل ذکر احتجاج کیا اور نہ اپنے بھائیوں کے خلاف کی گئی اس ننگی جارحیت پر کوئی خاطر خواہ آواز اٹھائی گئی۔ پورا عالم اسلام منہ میں گھنگھنیاں ڈالے بیٹھا رہا۔ دبے لفظوں میں اگر کسی نے کچھ کہا بھی تو اس کی حیثیت زبانی جمع خرچ سے زیادہ نہ تھی۔ دراصل عالمی طاغوت نے عالم اسلام کو ایسے گوناگوں مسائل میں مبتلا کر رکھا ہے کسی کو اس کے خلاف کچھ کہنے کی جرأت ہی نہ ہوئی۔ کوئی مشکل سے ملنے والی بھیک کے بند ہو جانے سے ڈر رہا تھا اور کوئی اپنی کرسی

کے نہیں لیے جانے کے خدشے سے خوف زدہ تھا۔ اقتدار کی ہوس میں مبتلا، بزدل اور دنیا پرست حکمران اتنا بھی نہ کر سکے جتنا روس نے کر دکھایا۔ اس نے امریکی حملے کی مخالفت کرتے ہوئے عراق پر عائد پابندیوں کو یکطرفہ طور پر اٹھانے کا فیصلہ کیا اور روسی پارلیمنٹ نے اس ضمن میں ایک قرارداد منظور کی۔ (روزنامہ جنگ، 20دسمبر 1998ء) یہ خبر عالم اسلام کے لیے تازیانے کی حیثیت رکھتی ہے۔

اس آپریشن کے حقیقی مقاصد:

ذرائع ابلاغ میں چھپنے والی ان خبروں کے جائزے کے بعد ہم ان پس پردہ مقاصد کے انکشاف کی طرف آتے ہیں جن کے حصول کے لیے یہ ناٹک رچایا گیا۔ امریکی صدر نے مواخذے کی تحریک منظور ہونے کے چار گھنٹے بعد اعلان کرتے ہوئے کہا: ''آپریشن ڈیزرٹ فاکس'' پلان کے مطابق مکمل کر لیا گیا (جنگ، 21دسمبر 1998ء) سوال پیدا ہوتا ہے وہ پلان کیا تھا جس کی تکمیل کے لیے چار راتوں تک بغداد کی فضاء رمضان کی مقدس ساعتوں میں گولوں کی روشنیوں اور گھن گھرج سے اٹی رہی؟ کیا محض اتنی سی بات کے لیے عراق پڑوسی ملکوں کے خلاف جارحیت نہ کرے، یہ سب کچھ کیا گیا جو جنگ عظیم کے دوران کیے جانے والے حملوں سے کسی طور پر کم نہیں؟ کیا بھوک افلاس اور خوراک وغذا کی قلت کا شکار عراق اس قابل ہے 1991ء کی خلیج کی جنگ بھگتنے کے بعد بھی کسی ملک کی سرحدوں کی خلاف ورزی کر سکے؟ جو ملک کسی سے آزادانہ تجارت نہیں کر سکتا، اپنی مرضی سے تیل نہیں بیچ سکتا، جسے اپنے عوام کے لیے غلہ اور بیمار بچوں کے لیے دوائیں دستیاب نہیں، اسے پاگل جانور نے کاٹ رکھا ہے وہ ایسی کوئی حرکت کرے گا جو اس کے لیے پہلے سے دگنی مشکلات کھڑی کر دے؟ بالفرض اگر رمضان کے مقدس مہینے میں اس کے ایسے کوئی عزائم بھی ہیں تو اسے ان ارادوں سے باز رکھنے کی فکر تو سب سے زیادہ سعودیہ کو ہونی چاہیے، لیکن سعودیہ

نے اس پر حملے کے لیے اپنی زمین تک استعمال نہیں کرنے دی۔ امریکا اور برطانیہ کو اپنے ہوائی اڈے اور خلیج میں موجود طیارہ بردار جہازوں کے رن وے استعمال کرنا پڑے۔ یہ سب کچھ کسی اور ہی قصے کا پتا دیتا ہے جسے سمجھنے کے لیے مفکر یا دانشور ہونا ضروری نہیں۔ حالات کا ادنیٰ سا فہم، خبروں کا تھوڑا سا جائزہ اور اسلام کا معمولی سا درد اور غم کافی ہے۔

ذیل میں اپنی طرف سے کچھ کہنے کے بجائے ان دنوں کے دوران چھپنے والی چند خبریں نقل کی جاتی ہیں جن سے بلا تردد یہ بات سمجھ آتی ہے اس آپریشن کے ذریعے صہیونی اور صلیبی طاقتوں نے عراق کو مہلک ہتھیاروں سے پاک کرنے کا مقدس مشن پورا نہیں کیا، بلکہ خاکم بدہن مسلمانوں کے مقدس مقامات پر غاصبانہ قبضے کی راہ ہموار کی ہے۔ اس کے ذریعے سے انہوں نے حرمین شریفین کے اردگرد گاڑے ہوئے پنجے کچھ اور مضبوط کر لیے ہیں اور اس دوران ان بدبختوں نے یہاں پھیلائے گئے جال کے کھونٹے کچھ اور مستحکم کر لیے ہیں۔ عالمی خبر رساں ایجنسیوں کی فراہم کردہ خبروں کا جائزہ لینے سے وہ مقاصد کچھ یوں سامنے آتے ہیں۔

(1) سب سے پہلے تو صدر کلنٹن نے اپنا ذاتی مفاد حاصل کیا۔ کچھ عرصے قبل جب اسے جنسی الزام میں تفتیش کا سامنا کرنا تھا، اس نے سوڈان اور افغانستان کو میزائلوں کا نشانہ بنایا۔ حال ہی میں اس نے کانگریس کا موڈ بگڑتے دیکھا تو بغداد پر بموں کی بارش کروادی۔

(2) خلیج میں امریکی فوج کے پاس آٹھ طیارہ بردار جہاز موجود تھے، اب دو مزید جہاز وہاں پہنچا دیے گئے۔ ان دو طیارہ بردار جہازوں کے خلیج میں پہنچنے کے بعد یہاں امریکی طیاروں کی تعداد میں 2.5 فیصد اضافہ ہو جائے گا۔ دنیا کو دھوکہ دینے کے لیے یہ مشہور کیا گیا نئے طیارے اور طیارہ بردار جہاز اس لیے بھیجے جا رہے ہیں کہ وہاں پہلے سے موجود جہازوں کے عملے کو کرسمس کی چھٹیاں منانے کے لیے گھر بھیج دیا جائے، لیکن یہ وضاحت

نہیں کی گئی عملہ جب چھٹیوں پر جائے گا تو اس کی جگہ دوسرا عملہ آنا چاہیے۔ پرانے عملہ کی جگہ نئے جہاز کیوں بھیجے جا رہے ہیں؟ پرانے جہاز تو وہیں موجود ہیں وہ تو چھٹی پر نہیں گئے جس کے لیے ان کی جگہ نئے جہاز بھیج دیے جائیں۔ نئے جہازوں پر آنے والا عملہ تو انہی جہازوں پر ڈیوٹی دے گا۔ پرانے عملے کی جگہ لینا تو اس کے لیے ممکن ہی نہیں۔

(3) کویت میں تعینات امریکی فوجیوں کی تعداد میں اضافہ کرتے ہوئے 4 ہزار مزید فوجی کویت پہنچا دیے گئے۔ (روزنامہ جنگ: 20 دسمبر 1998ء)

(4) برطانوی وزیر اعظم نے کہا ہے صورتحال کی نگرانی کے لیے برطانوی بحری بیڑا ''ان ویزیبل'' آیندہ ماہ خلیج بھیج دیا جائے گا۔ (روزنامہ جنگ: 21 دسمبر 1998ء)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے اس اضافے کی غرض کیا ہے؟ کیا پہلے سے موجود عظیم الشان بحری بیڑے، کثیر التعداد بحری وفضائی افواج عراق سے فرضی خطرے سے نمٹنے کے لیے کافی نہ تھیں؟ دراصل یہ سب کچھ اگلے اقدامات کی تیاریاں ہیں۔ وہی اقدامات جن سے آگاہ کرنے کی پاداش میں شیخ حذیفی مصلائے نبوی سے محروم کر دیے گئے۔ جن سے نبرد آزما ہونے کی وجہ سے عرب شہزادوں کو گھر سے بے گھر اور ایک ہجرت سے دوسری ہجرت کرنی پڑی ہے۔ وہی اقدامات جن کو بھانپ کر مسلم زعما اپنی جانوں کی پروا کیے بغیر امتِ مسلمہ سے حرمین کے تحفظ کی فریاد کیے جا رہے ہیں۔

حرمین کا تحفظ کیوں کر ممکن ہے؟

مسلمانو! قبلہ اول کے چھین لینے سے یہودیوں اور ان کے سرپرستوں کا جو قرض تم پر چڑھا تھا، ابھی تم نے اسے ہی نہیں چکایا اور وہ حرمین پر نظریں جما کر تمہیں مزید زیر بار کرنا چاہتے ہیں۔ اب غفلت کی گنجائش نہیں رہی، مہلت عمل بہت تھوڑی رہ گئی ہے۔ یاد رکھو بیت اللہ کو اس وقت تمہارے عمروں اور طوافوں کی نہیں، تڑپتی جوانیوں اور مہکتے خون کی ضرورت

ہے۔ یہ جوانیاں اللہ کے گھر کی حفاظت کے لیے لٹادو، ایسی زندگی ملے گی جو موت کی دسترس سے باہر ہے۔ اپنی رگوں میں دوڑتا ہوا خون کعبۃ اللہ کے تقدس پر نچھاور کر دو ایسی عزت اور راحت ملے گی جو لازوال اور لافانی ہے۔ دنیا والے تمہاری غفلت سے یہ سمجھنے لگ گئے ہیں یہ شاہین پرواز کے قابل نہیں، ان شیروں کو جھپٹنا یاد نہیں رہا، یہ غلط فہمی دور کرنے میں دیر مت کرو۔ یہاں دیر کرنے والے روز قیامت پیچھے رہ جائیں گے۔ اللہ کا نام لے کر کر ہمت باندھو اور اس شعر کی عملی تفسیر بن جاؤ۔

اے کعبہ تو نے پکارا تو خون کھول اٹھا
تیرے بیٹے، تیرے جانباز چلے آتے ہیں

اپنا تن من دھن، سب بیت اللہ پر قربان کر دو، دنیا میں عزت اور آخرت میں جنت پا جاؤ گے۔ اللہ تمہارا حامی وناصر ہو۔

صلیبی جنگوں کے نئے دور کا آغاز

ابلیس کا رقص:

عراق پر صہیونی یہودیوں اور صلیبی عیسائیوں کی برپا کی ہوئی قیامت کو تھمے ہوئے چند روز ہوئے تھے اور عالم اسلام اس دھچکے سے ابھی سنبھلا ہی نہ تھا کہ امریکی طیاروں نے پھر عراق پر بمباری کی۔ اس مرتبہ یہ وجہ بیان کی گئی: ''عراق نے چونکہ نگران جاسوسی طیاروں کو پرواز کی اجازت نہ دی تھی اس لیے اس کو سبق سکھانا ضروری ہو گیا تھا۔ اس حملے میں (جو عراق کی میزائل پھینکنے والی ایک چوکی پر کیا گیا) 4 عراقی شہید اور کئی زخمی ہوئے۔ ابلیس کے اس رقص میں برطانیہ نے جو امریکا کا ''نیاز مند طفیلی'' بنا ہوا ہے، حسب معمول امریکا کا بھر پور ساتھ دیا۔ سوال پیدا ہوتا ہے جب گذشتہ چار روزہ حملوں کے اختتام پر یہ کہا جا چکا تھا عراق کی ایٹمی اور جراثیمی ہتھیار تیار کرنے کی صلاحیت ختم کر دی گئی ہے تو اب اس پر حملے کس مقصد کے لیے ہیں؟ اس کی اقتصادی ناکہ بندی کس جرم میں برقرار ہے؟ جب ہتھیار تیار کرنے کے مراکز تباہ کیے جا چکے ہیں تو یہ نگرانی کس غرض سے ہے؟

مسلمانوں کی اقتصادی و عسکری تباہی:

پچھلی خلیجی جنگ کے متعلق اب تک جو تفاصیل مستند کتابوں میں سامنے آئی ہیں، ان کے مطابق اس جنگ میں مسلمان ممالک کی ایک سو ارب ڈالر سے زائد رقم خرچ کروائی گئی جس کے نتیجے میں آج سعودی عرب جیسا مالدار بھی مقروض ہو چکا ہے۔ موجودہ چار روزہ جنگ کے متعلق امریکا و برطانیہ کا کہنا ہے 70 گھنٹوں کے حملے میں سو اہداف کو نشانہ بنایا

گیا۔ طیاروں نے 600 پروازیں کیں۔ 425 کروز میزائل داغے گئے۔ ایک میزائل کی لاگت ساڑھے سات لاکھ امریکی ڈالر ہے۔ اس طرح دونوں ملکوں نے محض چار دنوں میں ایک کروڑ 87 لاکھ 50 ہزار ڈالر کی قیمت کے تو صرف میزائل ہی پھونک ڈالے۔ جو بم برسائے وہ الگ ہیں۔ مجموعی طور پر وہ چار دنوں کی اس جنگ کی قیمت لگ بھگ 60 کروڑ بنتی ہے یعنی یومیہ 15 کروڑ ڈالر۔ مسلمانو! تمہارا کیا خیال ہے تمہارے یہ ہمدرد اور تمہارے لیے بے لوث خدمت انجام دینے والے ممالک یہ خرچ اپنی جیب سے ادا کریں گے؟ جب یہ تمہارے تحفظ کے لیے اتنی جان لڑا رہے ہیں تو اس بے غرض چوکیداری کے اخراجات تو تم ہی سے وصول کریں گے۔ وائے حسرت! کیا ستم ظریفی ہے! ایک بھائی کو تباہ کرنے کی اجرت دوسرے بھائی سے وصول کی جارہی ہے جو بالآخر دونوں کی بربادی اور غلامی پر منتج ہوگی۔

فطرت کا اٹل قانون:

امریکا اس وقت سپر پاور ہونے کے جنون میں مبتلا ہے۔ اس کا یہ زعم فرعون کے دعوائے خدائی "أنا ربكم الأعلى" سے ملتا جلتا ہے۔ تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔ طاقت اور اقتدار کا جو نشہ فرعون کے دماغ کو چڑھ گیا تھا اور جس نے اس کو بحیرۂ قلزم میں غرق کروا کر چھوڑا، آج پوری امریکی قوم اسی شیطانی و دماغی فتور میں مبتلا نظر آرہی ہے اور اللہ کے وضع کردہ اٹل قانون فطرت کے مطابق لگتا ہے کہ وہ اپنے تمام تر دھوکہ و فریب اور ظلم و ستم کے ساتھ بحر اوقیانوس میں تحلیل ہو جائے گی۔

بین الاقوامی منافقانہ قوانین:

یہود کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی کی طرح ناچنے والی اس قوم نے مکر و فریب پر مشتمل عجیب عجیب اصطلاحیں اور قانون گھڑ رکھے ہیں۔ جن کے سہارے وہ دیگر اقوام عالم کی مذہبی

ذاتی روایات میں جب چاہے رخنے ڈال سکتی ہے، جیسی رکاوٹیں چاہے کھڑی کر سکتی ہے، ان کو ان کے جائز حقوق سے محروم رکھ سکتی ہے، درست مطالبوں سے روک سکتی ہے، لیکن خود اگر اپنے مذموم منصوبوں کو پورا کرنے کے لیے سراسر ظالمانہ اقدامات پر بھی اتر آئے تو اسے کوئی روکنے والا نہیں، کوئی قانون اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا، کوئی اخلاقی قدر اس پر قدغن نہیں عائد کر سکتی۔ مثلاً ان چند اصطلاحوں کو لے لیجیے: بنیادی انسانی حقوق، عالمی اخلاقی اقدار، حقوق نسواں، حق آزادی رائے وغیرہ وغیرہ۔ ان کو استعمال کر کے کبھی وہ جہاد کو دہشت گردی قرار دے لیتا ہے، کبھی پردے کو شخصی آزادی کے خلاف ٹھہراتا ہے، انہی کی آڑ میں وہ مسلمان ممالک کی امداد کو ناروا شرائط کے ساتھ مشروط کر دیتا ہے، مسلمان مجاہدین کو کامیاب ہوتے دیکھ کر ان کو جنگ بندی پر مجبور کرنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن ان سب قوانین اور اصطلاحات کو دلیل کے طور پر پیش کرنے والا ملک خود اگر کسی ملک کے خلاف ننگی جارحیت بھی کرے تو یہ چیزیں اس کے آڑے نہیں آتیں۔ اگر کوئی غیر مسلم ملک کسی مسلمان ملک کو کھلم کھلا سربریت، حیوانیت اور وحشی سلوک کا نشانہ بنائے تو وہ ان "مسلمہ بین الاقوامی روایات" کو بروئے کار لا کر اس کو منع نہیں کرتا۔

رحمدل امریکی قوم کا دہرا پن:

اس دہرے پن اور دورخے معیار کو ایک واقعہ سے سمجھیے۔ پچھلے سال امریکی شہر سان فرانسسکو میں ایک شخص نے اس بات پر اپنے کتے کے سر پر بلّا دے مارا کہ اس نے اس کے بیٹے کا گال چبا لیا تھا اور اسے چھوڑنے کو تیار نہ تھا۔ ضرب کچھ ایسی ناگہانی تھی کہ کتے کے لیے جان لیوا ثابت ہوئی۔ اس شخص کا پڑوسی یہ سارا ماجرا دیکھ رہا تھا۔ اس نے فوراً مجاز ادارے کو فون کر دیا۔ ابھی یہ شخص اپنے بیٹے کا زخم صاف ہی کر رہا تھا پولیس موقع واردات پر آ پہنچی، جائے واقعہ کی تصاویر لیں، آلۂ قتل برآمد کیا، مجرم کے ہاتھوں کے نشانات لیے اور

اسے گرفتار کر کے جیل بھجوا دیا۔ اگلے روز جب یہ واقعہ اخبارات میں شائع ہوا تو کہرام مچ گیا۔ لوگ گھروں سے باہر نکل آئے، انتظامیہ بل کر رہ گئی، قانون و انصاف کے ادارے تلافی کے لیے دوڑ پڑے۔ جانوروں کے حقوق کی تنظیموں نے جلوس نکالے۔ عوام نے قاتل کو قرار واقعی سزا دلوانے کا مطالبہ کیا۔ اخبارات نے اس ظلم پر اداریے لکھے۔ آنے والے دنوں میں یہ احتجاج اتنی بڑی تحریک میں تبدیل ہو گیا امریکی انتظامیہ سارے کام چھوڑ کر اس کیس کو نبٹانے پر مجبور ہو گئی۔ عدالت میں مجرم (بیٹے کی محبت کے ہاتھوں مجبور باپ) اور مقتول (مالک کے جگر گوشے کا گال چبانے والا وحشی کتا) کے وکلاء نے دلائل کے انبار لگا دیے۔ مجرم کا ذہنی معائنہ کروایا گیا۔ انسانی جذبات اور نفسیات کے ماہرین سے رائے لی گئی۔ گواہوں کے طویل بیانات ہوئے جس کے بعد جیوری نے مجرم کو نفسیاتی مریض قرار دے کر معاف کر دیا، تاہم اسے باقی زندگی کتوں کے حقوق کے لیے وقف کرنے کی ہدایت کر دی گئی۔ اس دوران ایک سروے رپورٹ میں بتایا گیا بہت سے امریکی ایسے ہیں جو اس مقدمے کی سماعت کے دوران بے خوابی کا شکار رہے۔ انہیں خواب میں کتے کا کچلا ہوا سر دکھائی دیتا تھا جس کی وجہ سے ان کی نیند اچاٹ ہو جاتی تھی۔

جانوروں کے حقوق کی پاسداراور بے زبانوں کی ہمدرد اور رحمدل اس قوم کے جذبات آپ نے ملاحظہ فرما لیے۔ اب آیئے ان کی منافقت کا ایک مظاہرہ دیکھیے۔ عراق پر 1991ء میں ''آپریشن ڈیزرٹ اسٹارم'' کے نام سے مسلط کی جانے والی جنگ میں امریکا سمیت اٹھائیس ممالک نے 2600 جنگی طیاروں کے ذریعے 88500 ٹن وزنی بم گرائے جس میں ہزاروں انسان شہید ہوئے۔ بے شمار عمارتیں کھنڈر بن گئیں۔ اس حملے کے دوران وہ تمام نئے ہتھیار آزمائے گئے جو اس سے پہلے کسی میدان جنگ میں استعمال نہیں کیے ہوئے تھے۔ کویت سے واپسی کے باوجود دورانِ انخلاء عراقی فوجیوں کو جو ریگستانوں میں بغیر

ہتھیاروں کے لوٹ رہے تھے، آسمانوں سے گولیاں برسا کر جانوروں کی طرح نشانہ بنایا گیا۔ پھر اس کے بعد سے اب تک آٹھ سال ہو گئے ہیں عراق اقتصادی پابندیوں کی لپیٹ میں ہے۔ ان پابندیوں کے نتیجے میں اس کے 15 لاکھ افراد بھوک کی شدت اور ادویات کے عدم حصول کے باعث لقمۂ اجل بن چکے ہیں۔ بدنصیب مائیں حسرت کی تصویر بنی اپنے جگر گوشوں کو زمین کی گہرائیوں میں اترتا دیکھ کر آہ و بکا کا وہ دلدوز منظر پیش کرتی ہیں آسمان بھی آنسو بہانے لگتا ہے۔ ان سب مصائب کے بعد ان پر ''آپریشن ڈیزرٹ فاکس'' (Operation Deasert Fox) (صحرا کی لومڑی) کے نام سے نیا عذاب مسلط کیا گیا۔ 70 گھنٹوں میں عراق پر 200 سے زائد کروز میزائل پھینکے گئے۔ سینکڑوں لوگ مر گئے، ہزاروں زخمی ہوئے، لیکن سان فرانسسکو سے نیویارک تک، واشنگٹن سے جنیوا تک اور لندن سے ہیگ تک کسی ایک شخص نے احتجاج نہیں کیا، کسی تنظیم نے افسوس کے دو بول نہیں کہے، بلکہ الٹا مسکرا مسکرا کر آپریشن کی کامیابی اور ضرورت پڑنے پر مزید حملوں کا اعلان کیا گیا۔

عراقی مسلمانوں کا عالم اسلام سے سوال:

اس موقع پر مسلمانوں کے کٹے پھٹے اعضاء، جلے بجھے جسم اور سسکتی تڑپتی لاشیں عالم اسلام سے سوال کرتی ہیں کیا ہماری حیثیت تمہارے نزدیک اتنی بھی نہیں جتنی امریکیوں کے نزدیک اپنے کتے کی ہے؟ وہاں ایک کتے کی ہلاکت پر ساری انتظامیہ حرکت میں آجاتی ہے، پورا معاشرہ بے خوابی کا شکار ہو جاتا ہے اور یہاں زخمیوں کی قطاریں لگ گئی ہیں، لاشوں کے انبار جمع ہو گئے ہیں۔ نہ تمہاری رگِ حمیت پھڑکتی ہے نہ تمہاری غیرت ایمانی کو جوش آتا ہے، نہ تمہیں اپنے مظلوم مسلمان بھائیوں کا غم ہے نہ خود اپنے مستقبل کی کوئی فکر، یاد رکھو! امریکا کے ورلڈ آرڈر کا نشانہ صرف ہم نہیں، اگر اسی طرح غافل رہے تو اس کی زد میں

ایک دن تم بھی آ جاؤ گے۔

مسلمانوں کی غیرت کے لیے تازیانہ:

عالمی طاقتوں کی دیدہ دلیری یہاں تک پہنچ گئی ہے اب وہ اپنے اصل مکروہ جذبات کو چھپانے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے۔ حال ہی میں ایک امریکی شہری ڈیوڈ جونز نے انٹرنیٹ پر مسلمانان عالم کو ایک توہین آمیز پیغام میں ان مقامات مقدسہ کو بم سے اڑانے کی دھمکی دی ہے اور کہا ہے: ”ہم نے عراقیوں کو نمونۂ عبرت بنا دیا ہے۔ اب ہمارا رخ اپنے دوسرے مفادات کی جانب ہے۔“ (روزنامہ جنگ، ہفتہ 9 جنوری 1999ء)

سلطان صلاح الدین ایوبی کی منّت:

آج وہ وقت آ گیا ہے یہودی کبھی بموں پر رمضان کا تحفہ لکھ کر مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں، کبھی ان کے مقامات مقدسہ کی بے حرمتی کی دھمکی دیتے ہیں اور پورے عالم اسلام میں کوئی جوانمرد، صلاح الدین ایوبی کا کوئی وارث نہیں جو ان کو اس تحفے کا جواب دے سکے، اس دھمکی کا مزہ چکھا سکے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے زمانے میں جب ایک گستاخ عیسائی نے اسی قسم کی دیدہ دہنی کا مظاہرہ کیا تو سلطان نے منت مانی تھی کی اگر یہ بے ادب ہاتھ آ گیا تو اپنے ہاتھ سے اسے قتل کروں گا۔ جب سلطان نے پے در پے جنگی کاروائیوں کے بعد اس پر فتح پالی تو اس کو سامنے کھڑا کر کے کہا: ”سن! میں نے تجھے قتل کرنے کی دو مرتبہ قسم کھائی تھی۔ ایک مرتبہ تو اس وقت جب تو نے مکہ اور مدینہ کے مقدس شہروں پر حملہ کرنا چاہا تھا۔ دوسری مرتبہ اس وقت جب تو نے دھوکے اور دغا بازی سے حاجیوں کے قافلے پر حملہ کیا تھا۔ دیکھ میں اب تیری بے ادبی اور توہین کا انتقام لیتا ہوں۔“ اتنا کہہ کر سلطان نے تلوار نکالی اور جیسا کہ عہد کیا تھا، اس گستاخ اور موذی کو جس کا نام ”اینجی نالڈ“ تھا، اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔“ (تاریخ دعوت و عزیمت، مولانا ابوالحسن علی

الندوی، 266/1) کاش ! آج بھی کوئی ایوبی کا وارث پیدا ہو جائے اور ان بد بخت گستاخوں کو کیفر کردار تک پہنچا سکے۔

مکرِ یہود:

عراق کے ساتھ جاری حالیہ قضیے میں یہودیوں کا مخصوص مکر وفریب اور روایتی منافقت وچالبازی اپنے پورے جوبن پر نظر آتی ہے۔ خود امریکا کا اپنا دستور واضح طور پر بتاتا ہے کسی دوسرے ملک پر کن مخصوص حالات میں حملہ کیا جا سکتا ہے، اس اقدام کے لیے کانگریس کی پیشگی منظوری لازمی سمجھی جاتی ہے، اسی طرح یو این چارٹر اور سیکورٹی کونسل کی قراردادوں کو عالمی کونسل کی منظوری کی ضرورت پڑتی ہے، ان سب کاروائیوں کے بعد ہی کسی دوسرے ملک سے جنگ چھیڑنے کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ عراق پر کیے گئے موجودہ حملوں میں ان سب اصول وضوابط کی دھجیاں اڑا دی گئیں۔ نہ ہی کوئی ایسی ہنگامی حالت تھی جس کی بنا پر عراق پر حملہ کیا جا سکتا، نہ امریکی کانگریس یا سلامتی کونسل سے اس کی منظوری لی گئی تھی۔ ہوا یوں کہ کیمیاوی و جراثیمی ہتھیاروں کی تفتیش پر مشتمل ایجنسی کے سربراہ (جو انتہائی متنازعہ شخص تھا) نے اپنی رپورٹ اقوام متحدہ کے متعلقہ شعبے میں پیش کرنے سے دو دن قبل اتوار کے روز صدر کلنٹن کو پہنچا دی اور اس کو یہ بھی بتا دیا اقوام متحدہ میں یہ رپورٹ کس وقت موصول ہوگی۔ صدر صاحب نے جو اس وقت اسرائیل کے دورے پر تھے، اسی وقت حملوں کی حتمی تیاری کا حکم دے دیا اور جونہی رپورٹ اقوام متحدہ پہنچی۔ اس نے اسرائیل سے امریکا واپس آتے ہوئے طیارے سے ہی حملوں کا حکم دے دیا اور یوں ''عالمی اصول وضوابط'' کے پابند ادارے کی ناک کے نیچے عراقی مسلمانوں کو خون میں نہلا دیا گیا۔ نہ نام نہاد حقوق کی تنظیموں نے اس کے خلاف کوئی آواز اٹھائی اور نہ امن وآشتی کا راگ الاپنے والے مغربی ممالک نے اس پر کوئی ردعمل ظاہر کیا۔

بحث تمحیص اور غور وفکر:

خلافت عثمانیہ کے سقوط کے بعد سے خون مسلم ارزاں ہوتا چلا آیا تھا۔ خلافت کے سائبان سے محرومی کے بعد دشمن مسلمانوں پر بھوکے بھیڑیے کی طرح جھپٹتے چلے آرہے تھے، لیکن موجودہ دور میں جس طرح مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے اور جس طرح مسلمان بے بس بنے ہوئے تماشا دیکھ رہے ہیں، اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ زمانہ قیامت کی چال چل رہا ہے اور یہ ابھی تک فرض عین یا کفایہ کی بحثوں میں الجھے ہوئے ہیں۔ دشمن ان پر وحشی درندوں کی طرح جھپٹ رہا ہے اور ان سے اقدامی اور دفاعی کا مسئلہ حل نہیں ہو رہا۔ طوفان سر پہ پہنچ چکا ہے اور یہ والدین کی رضا کی شرط پر غور وفکر کر رہے ہیں۔

مغربی اقوام کے دہرے معیار:

مسلمانو! کہاں تک تمہیں سمجھایا جائے، غیر مسلموں نے تم سے لین دین کے لیے دہرے پیمانے بنا رکھے ہیں، اسی اقوام متحدہ کو جب کہیں مسلمانوں کے ساتھ کی جانے والی زیادتی کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے تو وہ قانونی تقاضے پورے کرنے پر زور دیتی ہے۔ یہی طاقتیں جو عراق اور فلسطینیوں سے سلامتی کونسل کی قرار دادیں منوانے کے لیے ان کے خلاف ہر قسم کی کاروائی کرنے یا پابندیاں لگانے میں پیش پیش رہتی ہیں۔ اپنے ناجائز مطالبے منوانے کے لیے ان پر باقاعدہ فوج کشی کرتی ہیں۔ انہی کو جب بھارت یا اسرائیل کی طرف سے کی جانے والی سلامتی کونسل کی قرار دادوں کی خلاف ورزی کی شکایت کی جائے تو ان کا عذر یہ ہوتا ہے یہ خود مختار ملک ہیں اور اقوام متحدہ ان سے اپنے فیصلے جبری طور پر نہیں منوا سکتی۔ یہی امریکا جو عراق کو تو اس کے گناہ کی سزا دینے کے لیے تمام ضابطوں کو بالائے طاق رکھ کر اس پر چڑھ دوڑتا ہے۔ اس کی آنکھ کا تارا اسرائیل جب کھلے بندوں اقوام متحدہ کی قرار دادیں زمین پر پٹخ دیتا ہے تو اس کی طرف میلی نگاہوں سے دیکھتا تک

نہیں۔ وہ دن دہاڑے اردن کے مغربی کنارے، غزہ اور جنوبی لبنان پر اپنا قبضہ جمالیتا ہے
مگر اس سے کوئی باز پرس نہیں کی جاتی۔ معاہدوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مسلمانوں
کی زمین پر یہودی بستیاں تعمیر کرتا ہے، ایٹمی اور کیمیائی ہتھیاروں کا وسیع ذخیرہ جمع کر لیتا
ہے، مگر اس کی ہر حرکت امریکا اور اس کے حلیفوں کے نزدیک نازنین کی ''ادائے دلبرانہ''
ٹھہرتی ہے۔ اخلاقیات کے یہ دہرے پیمانے، منافقت اور دورخی کے یہ بدترین مظاہرے،
دجل وفریب کے یہ ہتھکنڈے دیکھ کر مسلمانوں کو بہت کچھ سوچنے اور بہت کچھ کرنے پر آمادہ
ہوجانا چاہیے۔

بات جب دہرے معیار کی چل نکلی ہے تو مزید سنتے چلیے، عالمی انسانی قدروں کے
سب سے بڑے علمبردار، خواتین وحیوانات، نباتات وماحولیات کے حقوق کے سب سے
بڑے دعویدار، امریکا کو کشمیر میں ڈھائی جانے والی ''قیامتِ صغریٰ'' کی کوئی جھلک دکھائی
نہیں دیتی۔ بوسنیا اور کوسووو کے مظلوموں کی چیخ وپکار اس کے بہانے کانوں سے ٹکرا کر
نامراد لوٹ آتی ہے۔ اسرائیل کی طرف سے آئے دن فلسطینی مہاجرین کے کیمپ پر وحشیانہ
بمباری کی خبروں پر اسے رسمی سا نوٹس لینے کا تکلف گوارہ نہیں ہوتا، لیکن عراق کے خلاف
جس کمال سرعت اور حیرت انگیز پھرتی وچابک دستی کے ساتھ وہ تادیبی کاروائیاں کرتا ہے،
اس کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے جیسے دنیا کا امن وامان عراق کو قابو رکھنے پر موقوف ہے۔ اگر بغداد
کے اس جن کو قابو نہ کیا گیا تو وہ ساری دنیا کو تہہ وبالا کر کے رکھ دے گا۔ عراق کے ناکردہ
گناہوں پر اسے سزا دینے میں امریکی حکمران جس طرح کی پھرتی اور بے تابی دکھاتے ہیں
اس کی مثال ''سنڈاس'' کے باہر کھڑے اس بسیار خود اور خوش خوراک شخص کی سی ہوتی ہے
جس کو اپنا ضرورت سے زائد بھرا ہوا معدہ اور گنجائش سے زیادہ پر کی ہوئی آنتیں خالی کرنے
کی جلدی ہو۔ پیٹ کے مروڑ اسے چین نہ لینے دے رہے ہوں اور بوجھل معدہ خالی کیے بغیر

رہا نہ جارہا ہو۔

مغرب کے آئندہ عزائم:

غیب کا علم خدا کو ہے لیکن امریکا کے سابقہ اقدامات دیکھ کر اس کے آئندہ عزائم کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں۔ امریکی طریق کار کو سمجھنے والے مسلمان مبصرین کسی اور طرف بھی اشارہ کرر ہے ہیں۔ امریکا کا طریق کار یہ ہے کہ کوئی کاروائی کرنے سے پہلے پروپیگنڈے کے ذریعے رائے عامہ ہموار کرتا ہے۔[1] چنانچہ ''الشرق الاوسط'' کے مطابق اپنی عسکری قوت بڑھانے اور عراق کے خلاف بڑی کاروائی کرنے کے لیے مطلوبہ قوت کو مختلف اڈوں تک پہنچانے کے لیے اس نے باقاعدہ اس پروپیگنڈے کو ہوا دی کہ امریکی سفارت خانوں اور دیگر مفادات کے خلاف دہشت گردی کا خطرہ بہت بڑھ گیا ہے۔ بعض فوجی اڈوں کے خلاف کاروائی کے خطرات کی افواہیں بھی اڑائی گئیں اور حفاظتی اقدامات مضبوط کرنے کے بہانے مطلوبہ افرادی قوت اور حربی ساز وسامان اکٹھا کیا گیا۔ اب عراق کے خلاف کاروائی کے بعد امریکا اور برطانیہ کی طرف سے واویلا مچایا جارہا ہے عرب ممالک میں امریکی اور برطانوی سفارت خانوں پر حملے ہوں گے۔ ان خبروں سے صاف ظاہر ہوتا ہے امریکا کو خطرہ ہے مسلمانوں کی طرف سے اس کے خلاف شدید جذبات کا اظہار ہوگا۔ دوسری اہم بات جو ان خبروں سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے امریکا اب شیخ اسامہ کے خلاف کاروائی کے بہانے دوبارہ افغانستان پر میزائل برسانے کا پروگرام بنا رہا ہے۔[2] اس کاروائی کا ایک

1- عراق کے بعد افغانستان پر حملے کے لیے بھی یہی پیشگی حربہ استعمال کیا گیا۔ 2010ء کے آخری چھ مہینوں میں اسرائیل بھی اسی طرح کا پروپگینڈہ کر کے (کہ اسرائیل چاروں طرف سے بنیاد پرست حکمرانوں میں گھر گیا ہے) اسرائیل کی توسیع کے لیے القدس شہر (یروشلم) پر قبضے اور معاذ اللہ مسجد اقصیٰ کو گرا کر ہیکل سلیمانی کی تعمیر کی کوشش کرے گا۔

2- یہ پیش گوئی درست ثابت ہوئی اور افغانستان پر حملے سے لے کر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مقصد عرب حکمرانوں کو اس بات کا یقین دلانا ہوگا کہ ہم، بلکہ صرف ہم ہی تمہاری حفاظت کر سکتے ہیں۔ اس لیے ہماری افواج کی موجودگی ضروری اور ناگزیر ہے۔

قانونِ قدرت:

امریکا کے یہودیوں اور برطانیہ کے عیسائیوں کے عزائم کچھ بھی ہوں لیکن کچھ فیصلے قدرت کے بھی ہوتے ہیں اور وہی غالب رہتے ہیں۔ قدرت کے اٹل فیصلے کے مطابق کسی بھی فرد، بشر یا ملک و قوم کو ایک مقررہ وقت تک ہی ڈھیل دی جاتی ہے۔ طاقت کا نشہ اور اقتدار کا زعم جب حد سے بڑھ جائے تو قدرت کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ تاریخِ عالم شاہد ہے جب کوئی شخص یا قوم حدوں سے باہر نکل جائے اور فطرت کے مقاصد کو روندتے ہوئے مخلوق خدا کے لیے عذاب بننے لگے تو سمت غیب سے ایک ہوا چلتی ہے جو فرعونوں اور نمرودوں کے محلات اور رعونت و تکبر کے ایوانوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے جاتی ہے۔ خودسر انسانوں اور غرور میں مبتلا حکمرانوں کو نمونہ عبرت بنا دیتی ہے۔ امریکا سینہ زوری اور دھاندلی کی جس روش پر چل رہا ہے، وہ جلد ہی اسے اس منطقی انجام تک پہنچا دے گی جو زمین پر خدا بننے اور خلق خدا کے لیے آزار و ایذا کا سبب بننے والوں کے لیے مقدر ہے۔ برطانیہ کی سلطنت میں کبھی سورج غروب نہیں ہوا کرتا تھا۔ آج وہ جس جزیرے میں سکڑا سمٹا بیٹھا ہے وہاں سورج طلوع نہیں ہوتا۔ آج سے صرف بائیس سال پہلے سوویت یونین کے حصے بخرے کرنے کا گمان بھی کسے ہو سکتا تھا۔ آج وہ جس عبرتناک انجام سے دوچار ہے، اس کو دیکھ کر ہی خدا کی خدائی کا یقین آ جاتا ہے۔ نصف دنیا پر حکومت کرنے اور پورے کرۂ ارض پر تسلط کا خواب دیکھنے والی جابر قوم آج اپنے دشمن کی دی ہوئی بھیک کھا رہی

(گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ) شیخ اسامہ بن لادن کی شہادت تک پیش آنے والے واقعات نے ان سب خدشات کی تصدیق کر دی۔

ہے۔ وہاں کا صدر اپنی پنشن جاری نہ ہونے پر نوحہ کناں ہے۔ افغانستان میں معذور ہونے والے فوجی سرِ شام مرکزی سڑکوں کے کنارے کھڑے ہو کر بھیک مانگتے ہیں۔ ان میں اعلیٰ رینک کے افسر بھی شامل ہیں۔ کچھ عجب نہیں امریکا اور مغرب کی استعماری طاقتیں جلد ہی اسی انجام کو پہنچ جائیں جس تک اس کے پیشرو پہنچ چکے ہیں۔ اگر روس کے اسلحہ خانے اس کے کام نہ آسکے تو امریکا کا مکروفریب بھی زیادہ دن اس کا ساتھ نہیں دے گا۔ مسلمانو! سنت الٰہی پوری ہونے کا وقت نزدیک آپہنچا ہے، قدرت کی دراز ہوئی رسی کھینچنے ہی والی ہے۔ یہودیوں پر ''بخت نصر'' کی یلغار کا نمونہ دہرایا جانے والا ہے۔ ان پر خیبر جیسی جلاوطنی کے دن قریب آگئے ہیں۔ بس تمہاری ذرا سی جراَتِ مؤمنانہ، تھوڑی سی غیرتِ مردانہ کی ضرورت ہے۔ عیش پرستی اور شوقِ شہادت، دنیا کی محبت اور جنت کی طلب میں فرق ہی کتنا ہے؟ ایک نعرۂ مستانہ، ایک فیصلۂ قلندرانہ کا۔ دنیا کی زندگی کے طوق کو اتار پھینکنے کا عزم کر لو۔ فیصلہ کرنے کی دیر ہے، اللہ کی رحمت و مغفرت اور اس کی تیار کی ہوئی جنت کو اپنا منتظر پاؤ گے۔

پاکستانیو!

پاکستانیو! راندۂ درگاہ یہودیوں نے تمہیں ماں کی گالی دی تھی اور تم ان کے ''برگر'' کھاتے اور ''کولے'' پیتے ہو! تف ہے تمہاری غیرت پر۔ تم اب بھی ان کے سامنے کشکول پھیلا کر بھیک مانگتے اور قطار لگا کر ویزے طلب کرتے ہو، صد حیف ہے تمہاری مردانگی پر۔ یاد رکھو! اگر اس گالی کا جواب دینا ہے تو نبی والا طریقہ اختیار کرنا ہوگا۔ صحابہ والی زندگی پر آنا ہوگا۔ اگر اپنے ایجاد کیے ہوئے طریقے اپنائے تو گالی کے اس داغ کو دھونے کے لیے سات سمندروں کا پانی بھی ناکافی ہے۔ قرآن کی بتائی ہوئی تدبیر پر عمل کرلو تو چند جوانیاں بھی نہیں لگیں گی، پتھر اور درخت پکار پکار کر کہیں گے: ''او مؤمن! یہ یہودی یہاں چھپا بیٹھا

ہے۔آ!اس کو فنا کے گھاٹ اتار دے۔اللہ کا دشمن یہاں موجود ہے اس کو اس کے انجام تک پہنچا دے۔'' سوچتے کیا ہو؟ بن لادن اپنے ماں باپ، رشتہ دار، عزیز و اقارب، عیش و آرام کی زندگی چھوڑ سکتا ہے۔گھربار، مال و اسباب، اربوں کی جائیداد، بیت اللہ کی حفاظت اور حرمین کے تقدس کی خاطر لٹا سکتا ہے۔تم سے یہ بے کیف زندگی، یہ بے لطف سے خالی دنیا نہیں چھوڑی جاتی۔

خدا کے بندو! ممکن ہے اس مرتبہ قدرت الٰہیہ کا قرعہ فال تمہارے نام نکل آئے۔اللہ تعالیٰ اس دفعہ ابابیلوں کی یلغار کا کام تم سے لے لے۔آج سے تیرہ سو سال قبل تمہاری ایک بیٹی کی فریاد پر محمد بن قاسم نے عرب کے صحراؤں سے آکر تمہارا بدلہ لیا تھا، آج اس قرض کو چکانے کا دن آگیا ہے۔یہودیوں کی گالی کا جواب اور بن قاسم کے احسان کا بدلہ دونوں اکٹھے نمٹانے کا اس سے بہتر موقع نہیں ملے گا۔انتظار کس چیز کا ہے؟ سعادت کی زندگی یا شہادت کی موت، عزت والی دنیا یا جنت والی آخرت۔

اللھم انصر من نصر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم و اجعلنا منھم، و اخذل من خذل دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولا تجعلنا منھم، و أنت المستعان، و علیك البلاغ، ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ.

ایک عالمگیر تنازعے کی اصل وجوہات

کوئی بے خبری سی بے خبری ہے!

عصر حاضر کی عالمی سیاست کے حوالے سے چند سوال ایسے ہیں کہ مسلم ملت کے پڑھے لکھے اور باشعور افراد سے بھی ان کا جواب پوچھا جائے تو معلوم ہوتا ہے وہ افسوسناک غفلت اور خطرناک ناواقفیت کا شکار ہیں۔ انہیں نہ حرمین میں آئی ہوئی غیر مسلم افواج کے وجود کا علم ہے، نہ ان کے عزائم کی خبر ہے۔ ہماری صحافت اور ذرائع ابلاغ جو ہندی کی چندی کرنے اور بال کی کھال اتارنے کے لیے مشہور ہیں، انہوں نے بھی اب تک اس معاملے کے اصل اسباب کی کھوج لگانے اور اسے عامۃ المسلمین کے سامنے پیش کرنے میں اپنا کردار ادا نہیں کیا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ دیا جاتا ہے یہ افواج عرب حکمرانوں کے خود بلانے پر آئی ہیں اور یہ سب ان کا کیا دھرا ہے۔ لیکن عرب حکمرانوں کو انہیں بلانے کی ضرورت کیوں پڑی؟ اور اس ضرورت کے پورا ہونے کی بعد یہ افواج واپس کیوں نہیں جاتیں؟ اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا جاتا۔ کوئی لاعلمی سی لاعلمی ہے۔

آخر قصہ کیا ہے؟

قارئین کرام! تفصیل میں جانے کا موقع نہیں۔ تفصیل کبھی کبھی مقصد تحریر میں آڑے بھی آجاتی ہے۔ مختصراً عرض پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ امتِ مسلمہ کو مغرب کے جن عزائم اور مظالم کا سامنا ہے، وہ دو قسم کے ہیں:

(1) ایک تو دنیاوی مظالم ہیں۔ یعنی عالم اسلام کی دولت لوٹنا اور مسلسل لوٹے جانا۔

امریکا اور یورپ میں تیل کے ذخائر اتنے نہیں جو ان کی ضروریات پوری کرسکیں، جبکہ خلیج عرب میں دنیا کا 75 فیصد تیل پایا جاتا ہے۔ امریکا نے تیل کی پیداوار اس کی قیمت اور ترسیل کے راستوں پر مکمل قبضہ کر رکھا ہے۔ خلیج عرب کے دہانے ''آبنائے ہرمز'' نامی تنگ درّے سے روز تیل سے بھرے ہوئے مغربی ممالک کے دیو ہیکل ٹینکر گزرتے ہیں، جو قیمت ادا کرکے نہیں، بلکہ ٹھگی لگا کر یا چوری کر کے لے جائے جاتے ہیں۔ چوری بھی نہیں بلکہ ڈاکا! چوری تو چھپ چھپا کر ہوتی ہے۔ مسلمانوں کی یہ دولت دن دہاڑے لوٹی جاتی ہے۔ جس چیز کی قیمت اس کے مالک کی بجائے چیز لے جانے والا طے کرے تو اس معاملے کو سودا کون کہے گا؟ یہ تو صاف صاف لوٹ مار ہے۔ امریکا اس سیال سونے کی وہ قیمت لگاتا ہے جو آج سے دو دہائیاں پہلے خود اس نے طے کی تھی اور پھر یہ معمولی قیمت بھی وہ سعودیہ کو ادا نہیں کرتا، عراق کے موہومہ حملوں سے دفاع کرنے کے عوض رکھ لیتا ہے۔ کیا اس سے بڑا ظلم آج تک روئے زمین پر ہوا ہے؟ آج امریکا اور اس کے حلیف ممالک میں دولت کی جو ریل پیل اور ترقی کی جو روشنیاں نظر آتی ہیں، وحدہ لاشریک کی قسم! یہ مسلمانوں کی دولت کی مرہون منت ہیں۔ اس ناانصافی سے عالم اسلام کو آگاہی اور اس کے سد باب کی باتیں امریکا کی آنکھ میں کانٹے کی طرح کھٹکتی ہیں۔ یہ دولت صرف عرب ممالک کی نہیں، سارے عالم اسلام کی ہے۔ اس سے فائدہ اٹھانے کے اوّلین حقدار پسماندہ اسلامی ممالک ہیں۔ لیکن مسلمانوں کا حال یہ ہے نہ انہیں اپنے وسائل اور حیثیت کی خبر ہے اور نہ اپنے اوپر کیے جانے والے ظلم کا احساس ہے۔ وہ امریکا سے ویزے اور قرض مانگتے ہیں، امداد کے نام پر بھیک کے کشکول پھیلاتے ہیں، لیکن یہ نہیں جانتے کہ ان کی اپنی دولت اتنی ہے کہ وہ ساری دنیا کو نواز سکتے ہیں۔ سارے عالم اسلام سے غربت، جہالت اور بیماریاں دور کرسکتے ہیں۔ سادہ لوح مسلمانو! اسی طرح ''سب ٹھیک'' رہا اور گلشن کا کاروبار یوں ہی

چلتا رہا تو دنیا سے خیرات مانگتے رہو گے اور عالمی چوہدری تمہاری لوٹی ہوئی دولت سے تمہیں خیرات کے چند ٹکے دے کر تم پر رعب گانٹھتے اور اپنی من مانی شرائط منواتے رہیں گے۔

(2) دوسری وجہ پہلی سے بھی زیادہ اہم اور دلخراش ہے۔ اس کا تعلق ہمارے دین و مذہب اور مقامات مقدسہ سے ہے۔ کون نہیں جانتا عالم اسلام کے قلب میں یہودی ریاست کا قیام پہلے برطانیہ کی نگرانی میں ہوا پھر امریکا کی سرپرستی میں اس زہریلے پودے کو پروان چڑھایا گیا۔ نتیجہ یہ ہے یہودی آج ہمارے قبلۂ اول پر قابض ہیں۔ یہ بات تو سب کو معلوم ہے، لیکن یہودیوں کے اصل عزائم کی خبر مسلمانوں کی اصل اکثریت کو معلوم نہیں۔ موجودہ اسرائیل یہودیوں کی اصل منزل نہیں، منزل کی طرف پہلا قدم ہے۔ اگلا قدم ''عظیم تر اسرائیلی ریاست'' کا قیام ہے، جو دریائے فرات سے دریائے نیل کے درمیانی خطے میں قائم کی جائے گی۔ اسرائیل کے جھنڈے میں دکھائی گئی دو نیلی لکیریں انہی دو دریاؤں کی علامت ہیں۔ اب ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سرزمین عرب کا نقشہ اٹھایے۔ آپ کو معلوم ہوگا مسلمانوں کے مقدس مقامات مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ اسی خطے میں واقع ہیں اور یہودی ان کو ''گریٹر اسرائیل'' میں ضم کرنے کے منصوبے پر عمل پیرا ہیں۔ اس منصوبے کی ایک کڑی وہ ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سانحۂ ارتحال کے بعد مسلمانوں کو پیش آنے والا سب سے بڑا حادثہ کہا جاتا ہے۔ یعنی خیبر سے جلاوطن ہونے کے تقریباً 1400 سال بعد سرزمین حرمین میں یہودی افواج کی آمد، یہ فوجیں عراقی حملے سے دفاع کے نام پر آئی تھیں، لیکن دس سال گزرنے کے بعد بھی یہاں سے نکلنے کا نام نہیں لے رہیں۔[1] لطف کی

1- اب تو بیس سال ہو گئے۔ صدر صدام رہے نہ شیخ اسامہ بن لادن (اللہ تعالیٰ ان حضرات کی شہادت قبول فرمائے) لیکن غیر مسلم افواج مسلسل ارضِ حرمین میں خیمہ زن ہیں۔

بات یہ ہے ان کے مورچے عراقی سرحد کے پاس نہیں۔ اس سے سیکڑوں میل دور مسلمانوں کے مقدس مقامات کے گرداگرد ہیں اور یہ عارضی فوجی پڑاؤ نہیں، بلکہ مستقل فوجی اڈوں کی صورت میں جابجا قائم ہیں۔ یہ فوجی مستقر مکمل طور پر خود مختار اور ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد ہیں۔ ان کا صاف صاف مقصد یہ ہے مناسب وقت آنے پر عظیم اسرائیل کا خواب پورا کرنے میں یہودیوں کے کام آئیں اور مسلمانوں کو وہ چرکہ لگادیں جو دنیا پرست قوموں کو ان کے دشمن لگا کر چھوڑتے ہیں۔

کیا یہ صرف عربوں کا مسئلہ ہے؟

تو میرے دوستو! یہ ہیں اصل حقائق۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کیا یہ صرف عربوں کا مسئلہ ہے یا سارے عالم اسلام کا؟ کیا امریکا عرب فرمانرواؤں کی ذاتی تجوریاں لوٹ رہا ہے جو ہم اس سے قطع نظر کرلیں یا دنیا بھر کے مسلمانوں کی اجتماعی دولت سے اپنے الاؤ روشن کر رہا ہے؟ کیا حرمین شریفین صرف سعودیہ کے لیے مقدس ہیں اور ہم اسے اس کا اندرونی معاملہ قرار دے کر چین سے بیٹھ جائیں یا وہ روئے زمین کے ہر مسلمان کے لیے اس کی جان سے زیادہ محترم ہیں اسی لیے وہ بھی ان کے تحفظ کے لیے اپنے ایمان کی آواز پر لبیک کہے۔

مقدس ورثے کا تحفظ:

اے اللہ کی ماننے والو! اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائیو! دشمن صرف تمہاری دنیا ہی نہیں تباہ کررہا، بلکہ تمہارے پاک پروردگار کے مقدس گھر اور محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے روضہ مبارک پر بھی اپنی نظریں جمائے بیٹھا ہے۔ اس کی ہوسناک ارادوں اور حریصانہ عزائم سے امت کے مقدس ورثے کو محفوظ رکھنا چند اللہ والوں کا فرض ہے یا تم پر بھی اس کی کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟ اس کا جواب سوچنے کے لیے سقراط کی عقل یا بقراط

کے فلسفے کی ضرورت نہیں، تھوڑا سا ایمان اور ذرا سی غیرت درکار ہےاور زمین کے باسیوں سے لے کر آسمان کے فرشتوں تک کو یہ یقین ہے ابھی تم اتنے ایمان اور اتنی غیرت سے محروم نہیں ہوئے، پھر اپنی ذمہ داریوں کو پہچاننے میں دیر کیوں لگاتے ہو؟ اگر سنڈیاں کھیت خراب کر گئیں تو پھر پچھتائے کیا ہاتھ آئے گا؟

دنیا کا کڑوا ترین سچ

قبلہ رخ ہوکر:

مسئلۂ حرمین کی گہرائی اور گیرائی کا جاننا، جانچنا، سمجھنا اور حقدار کا ساتھ دینا عصرِ حاضر کے مسلمانوں کے لیے ویسا ہی ضروری ہے، جیسا نماز کے وقت قبلہ کی طرف رخ کرنا۔ جس طرح قبلہ کی طرف رخ کرنا ضروری ہے، اسی طرح اس کا تحفظ کرنا بھی از بس لازم ہے اور یہ قبلہ چونکہ دو سو کروڑ مسلمانوں کا ہے، خلیج عرب میں قدرت کی طرف سے ودیعت کی گئی دولت میں پورے عالم اسلام کا حصہ ہے، اس لیے اس لوٹ مار کا سلسلہ بند کروانا اور حرمین شریفین زادھما اللہ شرفا و کرامۃ کو درپیش خطرے کا سدباب کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

دنیا کا خطرناک سچ:

یہ مسئلہ مغرب کے لیے کس درجہ اہم ہے اور اس سے اس کی دلچسپی کتنی ہے؟ اس کا کچھ اندازہ اس سے لگائیے مغرب کسی قیمت پر یہ برداشت نہیں کرتا کہ دنیا کو اس معاملے کی اصل حقیقت سے آگاہ کیا جائے۔ حقائق کے منظرِ عام پر آنے سے جہاں یہودیوں کے توسیع پسندانہ عزائم کی تکمیل اور عظیم تر اسرائیل کے قیام میں رکاوٹ پیدا ہوگی، وہاں مغرب کی ترقی، دولت مندی اور چودھراہٹ کا راز بھی فاش ہو جائے گا۔ اس کی سپر پاوری کا

1۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں شیخ اسامہ بن لادن کی شہادت سے تاریخ کا یہ باب بند ہوگیا، لیکن درحقیقت وہ اسباب اپنی جگہ موجود ہیں جو مستقبل کے بن لادن کو جنم دیں گے۔ کتاب کے اس باب میں انہی اسباب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

دیمک زدہ محل دھڑام سے سات کھائیاں نیچے آ گرے گا۔ اس کو اچھی طرح معلوم ہے اس کی ظاہری زیبائش و آرائش، رعب داب، معیشت و تمدن، اقتصادی ترقی، عسکری منصوبے، سب کے سب مسلمانوں سے لوٹی گئی دولت کے مرہون منت ہیں۔ لہٰذا وہ اصل بات کو دبانا چاہتا ہے۔ مسلمانوں کو حقیقت معلوم ہونے سے پہلے وہ اصل بات کو دبا لینا چاہتا ہے۔ کیونکہ اگر اس راز کا علم مسلمانوں کو ہو جائے اور کوئی یہودیت کے اس مکر و فریب کے جالے کو ان کی آنکھوں کے سامنے سے ہٹا کر انہیں اندر کی بات سے آگاہ کر دے اور وہ قوتِ ایمانی اور غیرتِ ملّی کے بل بوتے پر عربستان سے جانے والی رگِ حیات (تیل کی پائپ لائن) کو انصاف کے دائرے میں لے آئیں، تو زمین میں خزانے پیدا کرنے والے قادرِ مطلق کی قسم! مسلمانوں کے دشمنوں کو گھٹنے ٹیکنے میں اتنی دیر بھی نہ لگے گی جتنی شیر کی دھاڑ سن کر جنگلی جانوروں کو چارہ چھوڑ کر بھاگنے میں لگتی ہے۔

حقیقت یہی ہے:

جب یہ بات مسلمانوں کے سامنے رکھی جاتی ہے تو وہ حیرت سے سوچتے ہیں کیا واقعی صورتحال یہی ہے؟ کیا ایسا ممکن ہے ہم پر رعب جمانے والا امریکا ہماری دولت پر اپنی ساکھ قائم رکھے ہوئے ہے؟ ہم تو اس سے امداد حاصل کرنے کے لیے جھولی پھیلاتے ہیں۔ قرضے منظور کروانے کے لیے سو سو جتن کرتے ہیں۔ ہم اس کے محتاج ہوئے یا وہ ہمارا؟ وہ تو دنیا کا امیر ترین ملک ہے، اتنے وسائل رکھتا ہے کہ چاند پر کمند ڈال رہا ہے۔ وہ ہم سے کیا چھینے گا؟ اور کیوں کچھ لوٹے گا؟ اپنی طاقت سے بے خبر مسلمانو! خدائے علیم و خبیر کی قسم! بات یہی ہے۔ حقیقت ایسی ہی ہے۔ امریکا جو امداد تمہیں دیتا ہے، وہ تمہارا اپنا مال ہے۔ تم سے اینٹھی ہوئی دولت تمہیں ہی قرضے میں دے کر تم پر رعب جمایا جا رہا ہے۔

چور مچائے شور:

کیسی عجیب بات ہے مسلمانوں کے پاس آج سب کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں۔ وہ دنیا کے قیمتی ترین ذخائر کے مالک ہوتے ہوئے بھی تہی دامن اور خالی ہاتھ ہیں۔ اب اس کو اپنوں کی سادگی کہیے یا دشمن کی عیاری، مسلمانوں کی غفلت کا نام دیجیے یا یہود و نصاریٰ کی ہوشیاری کا، وہ حقیقت جسے عرب کے صحراؤں کے چرند پرند بھی جانتے ہیں یہی ہے کہ امریکا اپنے حلیف مغربی ممالک کے ساتھ مل کر دونوں ہاتھوں سے عالم اسلام کے وسائل لوٹ رہا ہے۔ بہت دھڑلے اور بڑی بے فکری سے، انتہائی صفائی اور چابکدستی کے ساتھ اور پھر "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" کا مصداق اپنے اس ڈاکے کے خلاف آواز اٹھانے والوں کو "دہشت گرد" قرار دے کر ان پر حملوں کے منصوبے بنا رہا ہے۔ دنیا کے سامنے ان کو ظالم اور خود کو معصوم و بے قصور بنا کر پیش کر رہا ہے۔ لیکن آخر کب تک؟ قدرت کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ ظالم کو مہلت ضرور ملتی ہے، لیکن ایک وقت تک۔ آثار بتاتے ہیں اس کا وقت قریب آ لگا ہے۔ ضرورت اس کی ہے اپنے آپ کو اللہ کے مبارک احکامات اور نبی علیہ السلام کی مقدس سنتوں کے تابع کیا جائے۔ پورے کے پورے دین کو اپنایا جائے یعنی دین کی چار عبادتوں (نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ) کے ساتھ ان اعمال کی محافظ پانچویں عبادت کو بھی عبادت سمجھا جائے۔ آسمانوں کے فرشتے اور ابابیلوں کے دستے مسلمانوں کی مدد کو اترنے کے لیے بے قرار ہیں، اک ذرا مسلمانوں کو اپنے احوال کی اصلاح کر لینے کی دیر ہے۔

دنیا کی سب سے بڑی چوری

عالم اسلام کی دولت لوٹے جانے کی ہوشربا تفصیل

ہونا تو یہ چاہیے تھا:

مسلمان جب اللہ تعالیٰ کے احکامات کو ماننا اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس تعلیمات پر چلنا چھوڑ دیتے ہیں تو ان کی آخرت تو تباہ ہوتی ہے ہی، دنیا بھی برباد ہو جاتی ہے۔اس کی ایک مثال خلیج میں امریکا اور اس کے اتحادی افواج کو آنے کی اجازت دینا اور مسلمانوں کے داخلی معاملات میں ان کو شریک کرنا ہے۔سرزمین عرب جو روحانی برکات کے ساتھ ساتھ دنیاوی و مادی ہر قسم کی وسائل اور ذخائر سے مالا مال ہے۔اس میں پٹرول اور دیگر قیمتی معدنیات کے ذخائر دریافت ہوتے ہی یہود و نصاریٰ بھوکے بھیڑیے کی طرح اس پر ٹوٹ پڑے اور بن بلائے طفیلیوں کی طرح یہاں موجود بے حساب دولت پر رال ٹپکانے لگے۔

اب شرعی ہدایات اور اسلامی اخوت کے ناطے ہونا تو یہ چاہیے تھا جب غیر مسلم کمپنیاں یہاں تیل اور دیگر معدنیات کے اخراج، صفائی اور ترسیل کے معاہدے کرنے کے لیے کوشاں تھیں، تو ان سے معاملہ کرنے کے بجائے اپنے برادر مسلم ممالک کو ان پر ترجیح دی جاتی، جو فنی مہارت اور متعلقہ دیگر امور میں اتنے زیادہ ترقی یافتہ نہ بھی ہوتے، لیکن عقیدہ و عمل اور نیت و ارادے میں پاک وصاف اور اسلام کے اٹوٹ بندھن میں جڑے ہونے کی وجہ سے بھائی چارے کے انمول جذبات سے سرشار تھے اور یہ چیزیں ایسی ہیں جن پر بہت

کچھ قربان کیا جاسکتا تھا۔ یا پھر ایسے مسلم ممالک کی خدمات عارضی طور پر مستعار لی جائیں جن سے ہماری تاریخی دشمنی نہیں۔ اگر اس طرح کرلیا جاتا تو جہاں مسلمانوں کی دولت سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا اور عالم اسلام اقتصادی و معاشی طور پر مستحکم و مضبوط ہوتا وہاں اس ہمدردی و خیر خواہی کا نتیجہ یہ ہوتا کہ مملکت سعودیہ سارے دنیا کی سرپرست اور مربی کے طور پر ابھرتی، روحانی طور پر وہ عقیدت و محبت کا مرجع تو پہلے سے تھی اب دنیاوی طور پر رہنما و قائد تسلیم کرلی جاتی۔ اس کے جو فوائد عالم اسلام کو اور خود سعودی عرب کو ہوتے ان کا تصور کیا جاسکتا ہے۔

شرعی احکامات کی خلاف ورزی کا وبال:

لیکن شامت اعمال سے ہوا یوں کہ شریعت کے صریح احکامات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے یہودیوں اور عیسائیوں (امریکا و برطانیہ) کو ان بیش بہا معدنی ذخائر کے طویل المیعاد ٹھیکے دیے گئے۔ جبکہ تمام کتب فقہ میں جہاں غیر مسلموں کے دارالاسلام میں رہنے کے احکامات کا ذکر ہے، وہاں تصریح موجود ہے: ''غیر مسلم کو دارالاسلام میں طویل مدت کے لیے رہنے کی اجازت نہ دی جائے اگر وہ اس کی خواہش ظاہر کرے تو اس کو کہہ دیا جائے کہ اگر ایک سال سے زیادہ رہو گے تو ہم تم پر جزیہ نافذ کریں گے۔'' (دیکھیے ہدایہ مع فتح القدیر، باب المستامن، کتاب السیر، 072/2) یہ حکم عام مسلمان ملکوں کا ہے۔ بلاد عربیہ کا حکم اس سے زیادہ تاکید کا حامل اور اس سے زیادہ سخت پابندی پر مشتمل ہے۔ فقہ وفتویٰ کی شہرہ آفاق کتاب الدر المختار کی کتاب الجہاد (802/3) میں تحریر ہے: ''کفار پر پابندی لگائی جائے گی وہ حرمین شریفین کو مستقل وطن نہیں بنا سکتے۔ اس لیے کہ یہ دونوں مقدس شہر بلاد عربیہ میں سے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے: ''ارض عرب میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے۔'' اگر غیر مسلم یہاں تجارت کے لیے آنا چاہے تو جائز ہے، لیکن طویل

مدت کے لیے نہیں۔'' علامہ شامی اس کی تشریح میں فرماتے ہیں: ''یہ حکم حرمین کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ سارے جزیرہ عرب کا یہی حکم ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان: ''جزیرۂ عرب میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے۔'' آپ نے مرض الموت میں ارشاد فرمایا اور یہ روایت مؤطا میں ہے جیسا کہ محقق ابن الہمام نے فتح القدیر میں بیان کیا ہے۔''

(دیکھیے الدر المختار مع رد المحتار، 270/3)

کوڑے کے ڈھیر پر جما ہوا سبزہ:

یہ تو تھے شرعی احکامات، لیکن اگر ان سے ایک لمحے کے لیے صرف نظر کر لیا جائے اور محض عقلی و دنیاوی اعتبار سے دیکھا جائے تو بھی مغربی ممالک اس قابل نہ تھے کہ اپنے وسائل و ذخائر پر ان کو لا بٹھایا جائے۔ حرص و ہوس کی ماری ہوئی اور اخلاقیات سے تہی دست ان اقوام کی نجی زندگی کا نا قابل ذکر کردار نیز مسلمانوں سے ان کی ازلی دشمنی، ان کا تعصب، تنگ نظری، مارِ آستین والی خصلت، مسلمانوں کے ساتھ ان کی طویل تاریخی چپقلش غرضیکہ ہر چیز سے قطع نظر کر لیا جائے اور صرف تجارتی پہلو کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو بھی ان اقوام کا ماضی قابل رشک نظر نہیں آتا۔ اس کی مثال پاکستان کے امریکا کے ساتھ کیے جانے والے ایف سولہ کے سودے کی ہے۔ امریکا نے اتنی کثیر رقم وصولی کے بعد بغیر کسی معقول وجہ کے دبالی، نہ سودا حوالے کرتا ہے نہ دام واپس کرتا ہے۔ پھر ستم بالائے ستم جہاز جہاں کھڑے ہیں وہاں کا کرایہ بھی پاکستان کے کھاتے میں لکھا جا رہا ہے۔ اتنے سالوں کے صرف کرائے کا ہی حساب کیا جائے تو وہ قیمت سے بڑھ جاتا ہے۔

اب ایک نیا حل اس ایماندار تاجر نے یہ نکالا ہے کہ جہاز ایک تیسرے ملک کو فروخت کر کے رقم پاکستان کو ادا کی جائے گی۔ یہ یہودیانہ منطق دیکھی آپ نے، یعنی یہ جہاز اگر پاکستان کی ملکیت ہیں تو اس کے سپرد کیوں نہیں کیے جاتے اور اس کی اجازت کے بغیر

دوسرے ملک کو کیوں کر بیچے جا رہے ہیں؟ اگر پاکستان کی ملکیت نہیں تو پارکنگ کا کرایہ کیوں وصول کیا جا رہا ہے؟ غرضیکہ تجارت اور لین دین کے اعتبار سے دیکھا جائے تو بھی یہ توہین ڈھیر پر جمے ہوئے سبزے کی طرح ہیں۔

مغرب کی ساری ترقی عالمِ اسلام کی دولت کے بل بوتے پر ہے:

لیکن ہمارے عرب بھائیوں نے شرعی احکامات سے روگردانی کر کے اور تمام عقلی و منطقی تقاضوں کو ٹھکرا کر عاقبت نا اندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے ان سے طویل المیعاد معاہدے کر لیے اور یوں ان قوموں کو موقع مل گیا وہ عالم اسلام کے قیمتی اور سدا بہار معدنی ذخائر سے جونک کی طرح چمٹ جائیں اور مسلمانوں کی دولت چوس چوس کر اور ان کے وسائل لوٹ لوٹ کر اپنی اقتصادیات کو پروان چڑھائیں۔ پھر اس لوٹی ہوئی رقم سے ترقی پذیر اور پسماندہ اسلامی ممالک کو قرضے دے کر ان سے من مانی شرائط پوری کرواتے رہیں۔ لوٹ کا لفظ یہاں اس لیے بولا گیا شروع شروع میں شاہ فیصل شہید کے دور میں امریکا کی آرامکو کمپنی سعودیہ کو رائلٹی دیا کرتی تھی جو فی بیرل ستر سینٹ سے کچھ اوپر ہوتی تھی یعنی ایک ڈالر سے بھی کم۔ پھر اللہ کا کرنا یہ ہوا 73ء میں عرب اسرائیل جنگ چھڑ گئی۔ عرب ممالک نے مغربی ممالک کو تیل کی فراہمی بند کر دی اور تیل کی قیمتیں چڑھ کر 36 سے 40 ڈالر فی بیرل تک پہنچ گئیں۔ اس پر امریکی و یورپی ممالک نے جن میں سے اکثر میں تیل کی ایک بوند بھی پیدا نہیں ہوتی، اپنا سانس گھٹتے دیکھا اور اپنا تمام تر ظاہری رعب داب اور عیش و عشرت مسلمانوں کے قدموں میں رلتی دیکھی تو انہوں نے اس کا کوئی مستقل حل تلاش کرنے کی ٹھانی اور یہاں سے اس سازش کا ظہور ہوا جس کے نتیجے میں دنیا کی سب سے بڑی چوری اور سب سے بدترین ڈاکا وجود میں آیا۔ جو نہ صرف آج تک مسلسل جاری ہے، بلکہ اتنی بڑی مقدار میں ہے کہ اس کی کوئی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔

مالِ مفت، دلِ بے رحم:

یہی وجہ ہے مغربی ممالک ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کر کے اس چوری کی حقیقت کو ظاہر نہیں ہونے دیتے اور کسی قیمت پر اس آواز کو اٹھنے نہیں دیتے جو اس کی خطیر آمدنی کی راہ میں رکاوٹ بنے۔ دھونس دھاندلی، لالچ، دباؤ، قتل کی دھمکیاں، غرضیکہ کوئی حربہ ایسا نہیں جسے اس مقصد کے لیے استعمال کرنے سے وہ گریز کرتے ہوں۔ ان کو اچھی طرح خبر ہے ان کی ساری اقتصادیات، تمام تر معیشت، سپر پاوری کا دعویٰ، ترقی کی چمک دمک، سب کچھ عالم اسلام کی اس دولت پر ہے جو مسلمانوں کی سادگی اور غفلت سے فائدہ اٹھا کر وہ ''مال مفت دل بے رحم'' کے مصداق لوٹے جا رہے ہیں اور اسی لوٹ کے سلسلے کو تحفظ دینے کے لیے وہ اتنا آگے چلے گئے ہیں کہ اب عالم اسلام کے قلب میں باقاعدہ بھاری بھرکم اور جدید ترین اسلحے سے لیس کثیر تعداد میں مسلح افواج اور مستقل فوجی چھاؤنیاں قائم کر چکے ہیں۔ عرب ممالک میں کام کرنے والی پٹرولیم کمپنیوں کے شیئرز تو یہودیوں کے پاس ہیں ہی اور وہاں کے عملے کی کالونیوں کی کالونیاں غیر مسلم امریکی و برطانوی پر مشتمل تھیں ہی، اب ان کے تحفظ کے لیے مسلح افواج بھی دارالحرب سے منگوالی گئی ہیں اور خدا ہی کو پتہ ہے اس گھمبیر صورتحال کے باوجود مسلمانوں کی حیرت انگیز اور سمجھ میں نہ آنے والی بے حسی کیا دن دکھائے گی۔

آگاہی کے بعد غفلت معاف نہیں:

درحقیقت یہ سانحہ مسلمانوں کی سادگی اور غیروں کی عیاری کا منہ بولتا ثبوت اور سارے عالم اسلام کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ اس کی روک تھام، تدارک اور اب تک لوٹے گئے مال کی وصولی ہر مسلمان پر اس طرح فرض ہے جیسے اس کی ذاتی چیز کی حفاظت اور واپسی کو وہ ضروری سمجھتا ہے۔ جب تک اس کو اس ڈاکے کی اطلاع نہ تھی تب تک تو اس کی

بواقفیت اس کے لیے عذر بن سکتی تھی، لیکن معلوم ہو جانے کے بعد بڑی حیرت اور افسوس کا مقام ہوگا وہ اپنی چند ٹکوں کی چیز کے لیے مارے جانے کو تو شہادت سمجھے، لیکن اتنی قیمتی اور کثیر المقدار دولت لوٹے جانے کا اس کو نہ کوئی دردو غم ہے، نہ اس کی بندش اور روک تھام کے لیے کوئی فکر و کڑھن ہو۔ یہ غیرت ایمانی اور مؤمنانہ شان کے خلاف ہے۔ آیئے! اس بات کا جائزہ لیتے ہیں یہ چوری کیونکر ممکن ہوئی، یہ دنیا کی سب سے بڑی چوری کیسے ہے اور اس کا سد باب کیسے کیا جاسکتا ہے؟

انسانی تاریخ کا سب سے بڑا ڈاکا:

یہ 1970ء کی دہائی کی بات ہے۔ عالم اسلام کے قلب میں واقع عرب اسلامی ممالک نے جب امریکا و یورپ کے یہود و نصاریٰ کو عرب و اسرائیل جنگ (جس کو در حقیقت مسلم یہود جنگ کہنا چاہیے) کے بعد تیل کی برآمد روک دی تو امریکیوں نے ایک نئی چال چلی۔ انہوں نے پہلے شاہ فیصل شہید کو راستے سے ہٹایا۔ پھر تیل برآمد کرنے والے ممالک کی ایک تنظیم بنادی، اس کے ذریعے انہوں نے تیل کے اخراج اور سپلائی کا کوٹہ مقرر کر کے قانون رسد و طلب کو استعمال کرتے ہوئے تیل کی قیمت پر کنٹرول حاصل کر لیا۔ یہ کنٹرول ایسی اجارہ داری کی صورت اختیار کر گیا ہے اس دن سے آج تک وہ اپنی من مانی قیمتیں مقرر کرتے چلے آرہے ہیں۔ اسے دنیا کا آٹھواں عجوبہ قرار دیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ 1980ء کے بعد دو دہائیوں میں ہر چیز کی قیمت کئی گنا بڑھ گئی ہے، لیکن مسلم عرب ممالک کے پٹرول کی قیمت بڑھنے کی بجائے معکوس سمت میں سفر کرتے ہوئے تین گنا کم ہو کر 9 ڈالر فی بیرل پر آگئی ہے، جبکہ پٹرول وہ چیز ہے جس پر آج کل کی مشینی دنیا کی تمام تر صنعت و تجارت، زراعت و باغبانی، حمل و نقل غرضیکہ ساری ہی معیشت کا دارومدار ہے۔ قیمتوں کے اس الٹی سمت میں سفر کی واحد وجہ یہ ہے اس دولت کے مالک مسلمان ہیں جنہوں نے خود اپنی شبہ

رگ غیروں کے انگوٹھے تلے دے رکھی ہے اور خریدار یہود ونصاریٰ ہیں جو مسلم دشمنی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ وہ اس لوٹ کے مال کو ہتھیانے میں کیسے سستی دکھا سکتے ہیں؟ چنانچہ اس عرصے میں پٹرول کی قیمت کم ہوتی گئی اور جو چیزیں اس کی مدد سے تیار ہوتی ہیں ان کی قیمت چار گنا بڑھ گئی۔ اب اگر بالفرض ہم پٹرول کی قیمت چار گنا بڑھا دیں جبکہ اس کی اصل قیمت وہی 36 ڈالر فی بیرل رکھی جائے جو شروع میں رکھی تھی تو فی بیرل 144 ڈالر بنیں گے۔ امریکا اور اس کے حلیف ممالک آج کل ایک بیرل 9 ڈالر میں خرید رہے ہیں۔ 144 میں سے 9 منفی کیے جائیں تو چوری اور خسارے کا حجم 135 ڈالر فی بیرل بنتا ہے۔ تیل برآمد کرنے والے ممالک کی تنظیم ''اوپیک'' میں شامل مسلم ممالک 25 ملین بیرل یومیہ اخراج کرتے ہیں اور ''اوپیک'' سے خارج ممالک 5 بیرل یومیہ نکالتے ہیں اس لحاظ سے مسلم ممالک کی کل پیداوار 30 ملین بیرل یومیہ بنی۔ اس مقدار کو یومیہ خسارے سے ضرب دیا جائے جو 135 ڈالر ہے تو اس کی مقدار 4050 ملین ڈالر روزانہ بنی۔ یہ اتنی بڑی چوری ہے انسانی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں۔ اس چوری کے حجم اور کثرت کو اس طرح سمجھیے: سوڈان کے 30 ملین عوام کے چار سالہ اخراجات کے لیے یہ رقم کافی ہے اور شمالی وجنوبی یمن کے دو سال کا بجٹ اس سے پورا ہو سکتا ہے۔ اب ذرا آگے چلتے ہیں، یومیہ چوری کی اس مقدار کو سامنے رکھ کر اگر ہم چوری کی سالانہ رقم معلوم کرنا چاہیں تو 4050 ملین ڈالر کو سال کے 365 ایام سے ضرب دینے سے 1478.25 بلین ڈالرز جواب آتا ہے۔ پھر اس لوٹ مار کا سلسلہ چونکہ تقریباً ربع صدی سے جاری ہے۔ اس لیے اس رقم کا 25 سالوں کا حساب لگائیں تو 36.95625 ٹریلین ڈالرز کے ہوشربا اعداد سامنے آتے ہیں۔ پھر یہ بھی دھیان میں رہے اس بے رحمانہ لوٹ مار کی یہ تفصیل صرف پٹرول کے حساب سے بنتی ہے۔ دوسری قیمتی معدنیات کو اس میں شمار نہیں کیا گیا۔

امریکا کے ذمے ہر مسلمان کا قرض:

اس بھاری بھر کم رقم کو اگر روئے زمین پر موجود مسلمانوں کے عدد 1200 بلین پر تقسیم کیا جائے تو ہر مسلمان کے، چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت، امریکا اور اس کے اتحادیوں کے ذمے 30 ہزار ڈالر نکلتے ہیں!!! سبحان اللّٰہ و بحمدہ، سبحان اللّٰہ العظیم!!! یعنی ان حالات میں جبکہ مسلمانان عالم غربت، بیماری اور بھوک کے شکنجے میں کسے ہوئے ہیں، امریکا ان میں سے ہر ایک کا تقریباً پندرہ لاکھ ساٹھ ہزار پاکستانی روپے کے برابر مقروض ہے۔ اس سے زیادہ حیرت انگیز کوئی اور بات ہو سکتی ہے؟ اگر اس عظیم ترین چوری کی ایک دن کی مقدار بنگلہ دیش کے مسلمان بھائیوں کو دے دی جائے جو ہر سال سیلاب کے ہاتھوں بے گھر ہو جاتے ہیں تو ان کو درپیش مشکلات کا مداوا ہو سکتا ہے۔ اگر اس کی آدھی مقدار صومالیہ کے زرعی منصوبوں پر لگا دی جائے تو وہاں قحط ختم ہو سکتا ہے۔ اگر اس کی چوتھائی مقدار برما کے مہاجرین اور بوسنیا کے بے یار و مددگار مسلمانوں تک پہنچا دی جائے تو وہ اپنے جسم و جان کا رشتہ برقرار رکھنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

عرب ممالک کی معاشی زبوں حالی:

لیکن خالق کائنات کی نافرمانی بُرا دن دکھا کر رہتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مبارک کی خلاف ورزی دارین کے خسارے کا سبب بن کر رہتی ہے۔ جب شرعی احکامات کی خلاف ورزی کر کے مشرکین کو جزیرۂ عرب کی مقدس سرزمین پر آنے کی اجازت اور قدم جمانے کا موقع دے دیا گیا تو جہاں سارے عالم کے مسلمان وسیع پیمانے پر اقتصادی و معاشی فوائد سے محروم ہوئے، وہیں سعودیہ بھی کچھ اتنا سکھی نہیں۔ امریکا نے اس کو اور دیگر خلیجی ممالک کو ایک عجیب و غریب منصوبے کے ذریعے قرض کے نہ ختم ہونے والے سلسلے میں جکڑ رکھا ہے۔ تیل کا نرخ انتہائی کم رکھنے کے ساتھ امریکا ان کے سامنے

مختلف خطروں کا ہوّا کھڑا کر کے انہیں اپنا تیار کردہ اسلحہ خریدنے پر مجبور کرتا رہتا ہے۔ ایسا اسلحہ جس کی نہ ان کو ضرورت ہوتی ہے نہ حاجت۔ امریکا اپنا قدیم، بے کار، فرسودہ اور ناکارہ اسلحہ ان ممالک کو مختلف حیلے بہانے اور ہتھکنڈے استعمال کر کے بیچتا رہتا ہے۔ جب اس مہنگے ترین اسلحے کی قیمت کی نقد ادائیگی ممکن نہیں رہتی تو وہ ان کو ادھار بیچ دیا جاتا ہے۔ جزیرۂ عرب میں کام کرنے والے ایک مستند معاشی تحقیقی مرکز کے سربراہ ڈاکٹر عبدالعزیز الدخیل کی جاری کردہ تحقیقی شماریاتی رپورٹ کے مطابق اس وقت سعودیہ عربیہ کے داخلی قرضے 150/ ارب ڈالر ہیں۔ اس میں بیرونی قرضے بھی ملا دیے جائیں تو کل قرضے 200/ارب ڈالر تک جا پہنچتے ہیں۔ اگر اس پر صرف 10 فیصد شرح سود لگائی جائے تو سعودیہ کو صرف سود کی ادائیگی کے لیے سالانہ 20/ارب ڈالر چاہییں۔ کویت کا حال بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ پٹرول سے اسے جو سالانہ آمدنی ہوتی ہے اس میں سے اخراجات اور آیندہ تیل کی صنعت کے لیے درکار رقم نکال لی جائے تو 16/ارب ڈالر کا قرضہ ہے۔ یہ حال ان دو ملکوں کا ہے جو امیر ترین شمار ہوتے ہیں۔ اس طرح سے امریکا نے ان کی بے حساب دولت لوٹنے کے ساتھ ساتھ ان کو قرض کے ایسے شکنجے میں جکڑ رکھا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیے بغیر خلاصی ممکن نہیں۔

ان مشکلات کا حل کیا ہے؟

اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے پہلے بھی عربوں کا فقر و فاقہ کو دور کر کے تونگری نصیب کی اور اب بھی اس کو راضی کر لیا جائے تو اس کے فضل و کرم سے تمام مصائب دور ہو سکتے ہیں۔ اللہ کی رضا صرف اور صرف اس کی اطاعت میں اور گناہوں کو چھوڑنے میں ہے۔ اس وقت مسلمان جس طاعت کو سب سے زیادہ چھوڑے ہوئے ہیں وہ ہے اقامتِ دین اور احیائے خلافتِ اسلامیہ، اور سب سے زیادہ جس گناہ میں مبتلا ہیں وہ ہے دنیا کی محبت اور اعلائے

کلمۃ اللہ کی محنت سے غفلت۔ خصوصاً جزیرۂ عرب کے حوالے سے مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ارشاد، وصیت اور تمنا کی خلاف ورزی کر کے جس جرمِ عظیم کے مرتکب ہو رہے ہیں، آج یہ ساری مصیبتیں اسی کا وبال ہیں اور یہ بُرا دن اسی حکم عدولی کی وجہ سے دیکھنا پڑ رہا ہے۔ مسلمانو! ذرا سوچو تو سہی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک پر کیا گزرتی ہوگی جب حرمین کی مقدس سرزمین پر ان کو ایذا پہنچانے والے یہودی اور ان کی گستاخی کرنے والے عیسائی دندناتے پھر رہے ہیں اور ان کے نام لیوا روضۂ اقدس پہ حاضری اور سلام کی سعادت نصیب ہونے پر اکتفا کرتے ہوئے دنیا و مافیہا سے غافل اور مطمئن بیٹھے ہیں۔ نہ انہیں حجاز کی مقدس سرزمین پر آ نازل ہونے والے امریکی اور انگریز نظر آتے ہیں، نہ ان کو یہاں سے رخصت کرنے کی انہیں کوئی فکر ہے، نہ اس بے فکری کے بھیانک عواقب و نتائج کا کوئی احساس ہے۔ محمد عربی کے نام لیواؤ! اللہ و رسول کے دشمن یہود و نصاریٰ سے تعلق جوڑ کر تم اللہ ذوالجلال اور اس کے مقدس پیغمبر کی جو ناراضگی مول لے رہے ہو اور اس ناراضگی کے وبال میں دنیا و آخرت کی جس تباہی و ناکامی کے دہانے پر پہنچ چکے ہو، اب اس سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے۔ ہر مسلمان اپنی اصلاح اور اس پر قائم رہنے کے ساتھ امت کو بیدار کرنے اور ان اعمال پر لانے کی محنت شروع کر دے جن کے چھوڑنے سے آج دشمنانِ خدا ان پر مسلط ہو چکے ہیں۔ زبان سے ہو یا قلم سے، جان سے ہو یا مال سے، بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ، انفرادی یا اجتماعی، جیسے بھی ممکن ہو یہ مبارک محنت کرنے لگ جائے۔ اس کو اپنا مستقل وظیفہ بنا لے اور پھر اس میں آخری سانس تک لگا رہے۔ اس وقت تک جب تک مسلمانوں کی فتح و نصرت کے فیصلے آسمان پر ہو جائیں یا پھر اس کا بلاوا آ جائے۔ ﴿و اعبد ربك حتى يأتيك اليقين﴾ و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين۔

ملنے کے پتے

پاکستان کے تمام مشہور کتب خانوں سے دستیاب ہے

رابطہ: 0313-9264214

خلیج عرب میں امریکی بحری اڈوں کے قیام پر عالمی رائے

دنیا بھر کے عوام کی رائے کا تناسب

ملک	بہتر ہے	بہتر نہیں ہے
امریکا	70	23
میکسیکو	15	74
برطانیہ	43	39
فرانس	41	43
جرمنی	33	52
اٹلی	31	43
یوکرائن	4	56
روس	4	63
آذربائیجان	19	66
اردن	11	76
ترکی	6	
فلسطین	4	90
مصر		91
نائجیریا	60	23
کینیا	53	30
تائیوان	32	45
ہندوستان	25	25
ہانگ کانگ	19	59
تھائی لینڈ	9	22
چین	8	54
انڈونیشیا	5	56
پاکستان		45
تناسب	22	52
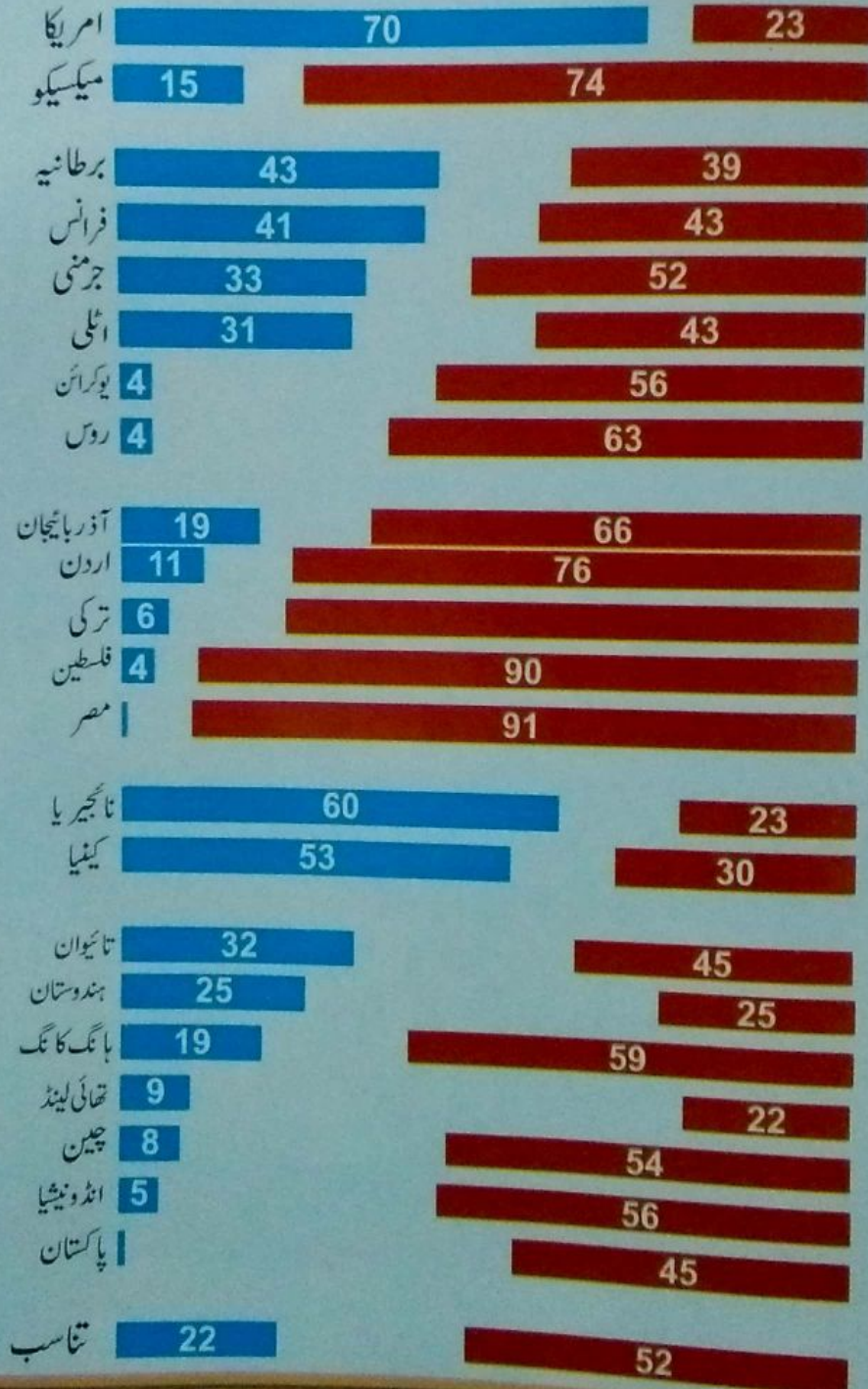
ارضِ عرب ارضِ اسلام ہے۔ اس میں امریکا اور اس کی معاون دیگر مغربی افواج کی موجودگی عالمی سطح پر تشویش ناک مسائل کو جنم دے رہی ہے۔ دنیا بھر کے امن پسند عوام بھی اس کے حق میں نہیں۔ آج کل یہاں کسی حملے کا کہیں کوئی خطرہ نہیں، مگر اس کے باوجود صلیبی افواج یہاں ڈیرہ ڈالے ہوئے ہے اور مسلمانوں کو ان کے مرکز میں امن سے جینے دینے پر تیار نہیں۔
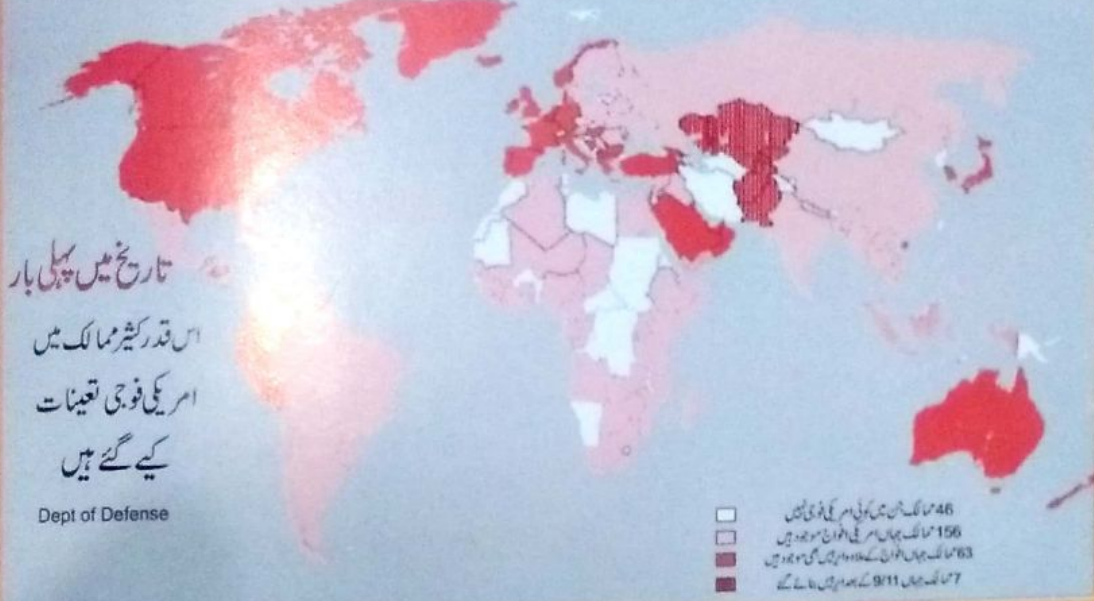
تسخیر عالم کے صیہونی منصوبے کی تکمیل کے لیے امریکی افواج یہودی طاقتوں کے آلہ کار کے طور پر دنیا بھر میں اپنے مستقر قائم کیے ہوئے ہیں۔ خصوصا کویت، قطر اور بحرین جیسے امیر مسلم ممالک تو ان کی خصوصی منصوبہ بندی کی زد میں ہیں۔ ان حالات میں مسلم نوجوانوں کا محض اپنے دنیاوی مستقبل کے لیے سرگرداں رہنا اور اجتماعی مسائل سے غفلت برتتے رہنا المناک ملی سانحات کو جنم دے سکتا ہے۔

173
حرمین کی پکار
بلاتبصرہ
ارضِ حرمین کی دولت
پیداوار سب سے زیادہ
موجودہ پیداوار
مزید پیداوار کی صلاحیت
بلادِ حرمین پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کی بارش
پوری دنیا کو یومیہ ہزاروں بیرل تیل فراہم کرنے والے مسلم ممالک
رینک
1
2
3
4
5
9
14
12
10
8
6
4
2
0
سعودی عرب
عراق
کویت
دبئی
لیبیا
الجزائر
قیمتیں سب سے کم
تیل کی قیمتوں کا گراف
فی بیرل خام تیل کی قیمت امریکی ڈالر میں
$110
$100
$98
$88
$80
روس
عراق
ایران
سعودی عرب
3
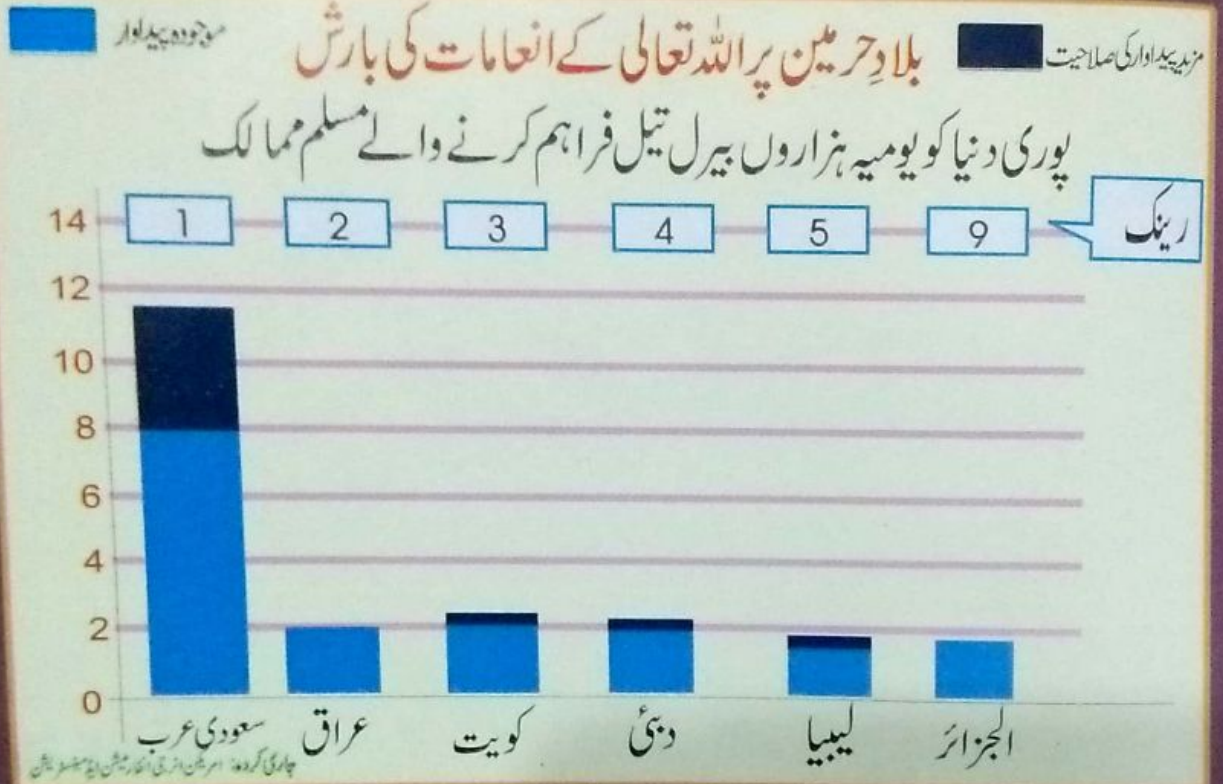
عالم اسلام کا سب سے بڑا مسئلہ جس میں بالخصوص حرمین کے محافظ مبتلا ہیں، دستیاب وسائل کا بے جا استعمال ہے۔ سعودی شاہی خاندان کے اہم فرد شہزادہ ولید بن طلال کو دنیا کی سب سے مہنگی فضائی اور زمینی سواریاں جمع کرنے کا شوق ہے۔ اوپر وہ جہاز ہے جس میں سونے کا بے تحاشا استعمال کیا گیا ہے اور وہ گاڑی ہے جس میں جابجا قیمتی ہیرے جڑے ہوئے ہیں۔ کیا قدرت کے انعامات کے اس طرح ضیاع کے بعد اچھے دنوں کی توقع رکھی جا سکتی ہے؟

یہ کسی جہاز ساز ادارے کی مصنوعات کی نمائش نہیں، عرب کے تپتے صحراؤں میں لنگر انداز مغربی افواج کی فضائی اور زمینی قوت کا ایک منظر ہے۔ اتنی کثیر تعداد میں یہ بھاری جنگی ساز و سامان یہاں کس غرض کے لیے مہیا کیا گیا ہے؟ عالم اسلام کو درپیش اس سنگین صورتحال سے آگاہی کا فرض ادا کر کے ہم فیصلہ اہل ایمان کے ضمیر پر چھوڑ دیتے ہیں۔

فتنہ وفساد: خشکی کی طرح سمندر میں بھی
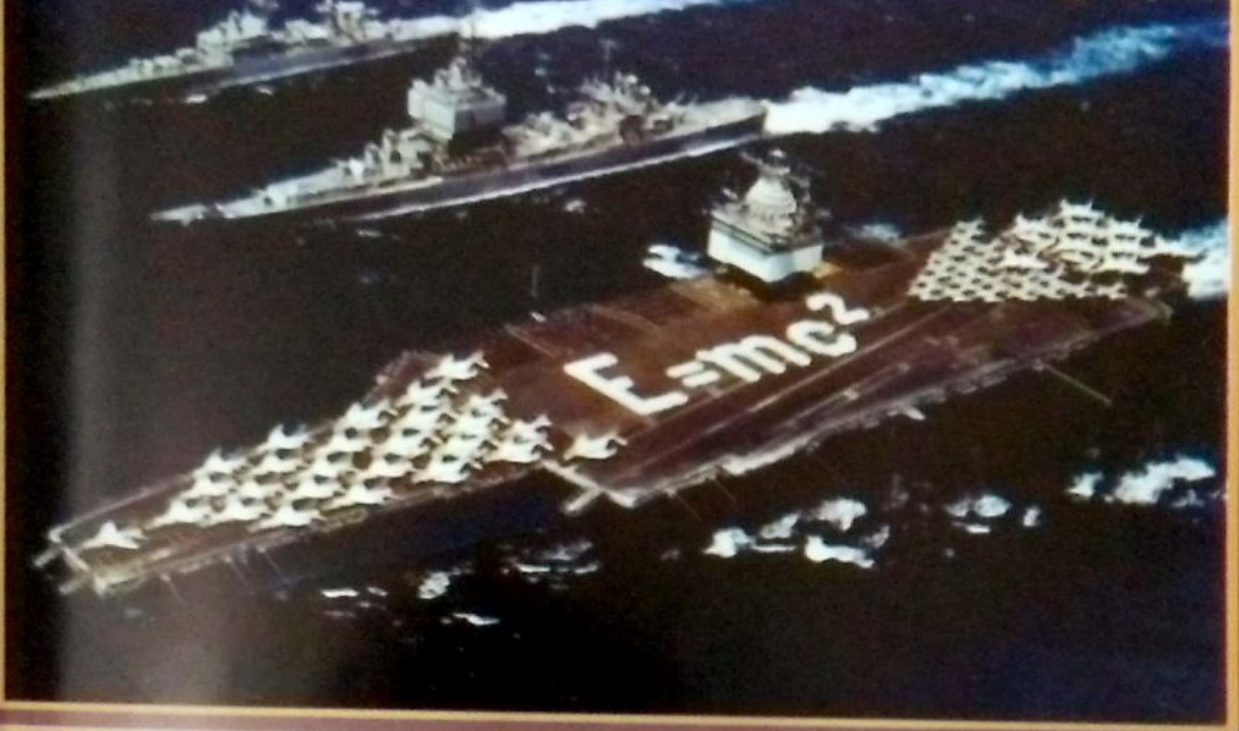
ارضِ حرمین کی مقدس سرزمین کے اردگرد سمندروں میں موجود مغربی طاقتوں کی بحری قوت، جس سے معلوم ہوتا ہے ابرہہ کے ہاتھی خشکی، سمندر، فضا و خلا سے کعبۃ اللہ پر نظر جمائے، خفیہ تیاری کیے بیٹھے ہیں۔ نادان مسلمانوں کو حج وعمرے کی اجازت نے بہلا رکھا ہے کہ ہر طرف بس خیر ہی خیر ہے، نہ شر ہے نہ شر کی طاقتوں کا منصوبہ بند گھیراؤ۔ ایسی صورتحال میں رجوع الی اللہ کے علاوہ چارہ کار نہیں، اور جہاد فی سبیل اللہ کے علاوہ کوئی حل نہیں۔

ایک برادر عرب ملک کے ساحل پر صلیبی امدادی لشکر اتر رہا ہے۔ نیچے کی تصویر میں مسلمانوں کے یہ ہمدرد اور خیر خواہ گشت کر رہے ہیں۔ عرب حضرات کے پاس موجود بے تحاشا وسائل کے بعد جہاد فی سبیل اللہ اور دفاعِ مرکزِ اسلام کے لیے اپنی مجاہد فوج تیار نہ کرنا یا پاکستان و بنگلہ دیش جیسے مسلمان ممالک سے مدد لینے کے بجائے "تاریخی جدلیت" کے حامل مہربان صلیب پرستوں کو بطور محافظ ذمہ داری سونپنا، معاصر تاریخ کا سب سے بڑا سانحہ ہے۔

دنیا کی اہم ترین مصنوعی نہر جو مشہور ترین بحری گذرگاہ ہے۔ اس پر تسلط حاصل ہونا دنیا کی تجارتی نقل وحمل کی چابیوں کو ہاتھ میں لینے کے مترادف ہے۔

پہلا درّہ : درۂ ہرمز

ایران

شمال

درۂ ہرمز

خلیج عرب

عمان

متحدہ عرب امارات

خلیج عمان

عمان

۱۰۰ کم ۵۰ ۰

دنیا میں تیل بردار جہازوں کی مرکزی شاہراہ پر واقع اہم ترین سمندری
درّہ جس کی معاشی، عسکری اور سیاسی اہمیت محتاجِ بیان نہیں۔

یمن اور صومالیہ کے بیچ واقع سمندری درّہ جس سے گذرے بنا کوئی جہاز بحیرۂ عرب سے بحر احمر اور بحرِ احمر سے بحیرۂ روم تک نہیں جا سکتا۔ اس پر مکمل قبضے کے پیشِ نظر امریکا صومالیہ میں قدم جمانا چاہتا ہے۔
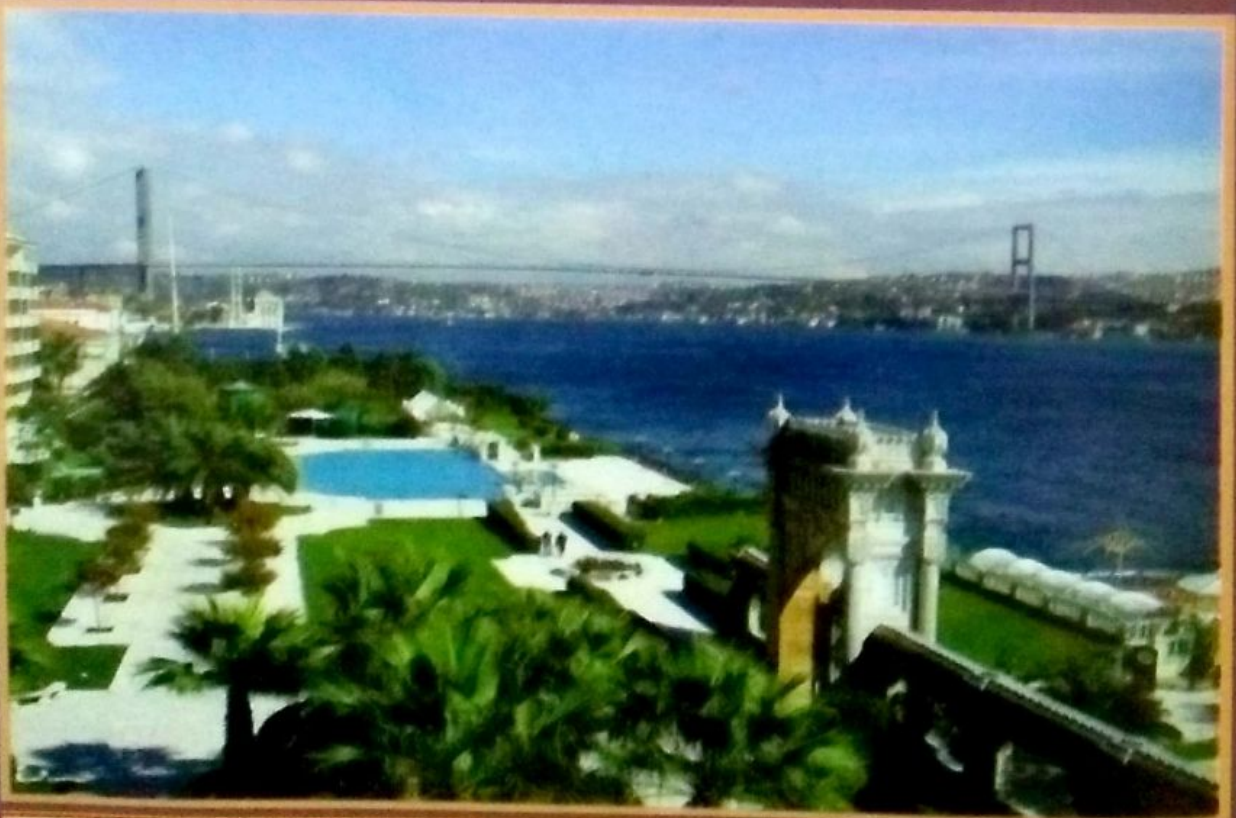
سلطان محمد فاتح کے تاریخی حملے کے حوالے سے یادگار بن جانے والی ''آبنائے باسفورس'' بحیرۂ اسود سے بحیرۂ روم تک پہنچنے کا واحد سمندری راستہ ہے جو آج پھر کسی فاتح کا منتظر ہے۔

''جبل الطارق'': وہ مشہور تاریخی مقام جسے طارق بن زیاد کے جانباز مجاہدین کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا تھا۔ آج دنیا کی اہم ترین سمندری گذرگاہوں میں سے ایک ہے۔

ملائیشیا کو تیز رفتار ترقی کی وجہ سے ''ایشین ٹائیگر'' کہا جاتا ہے۔ آبنائے ملاکا ایک اہم سمندری درّہ اس کے کنارے واقع ہے۔ اس سے گذرے بغیر ایشیا و یورپ کا کوئی جہاز چین، جاپان یا مشرقِ بعید نہیں جا سکتا۔
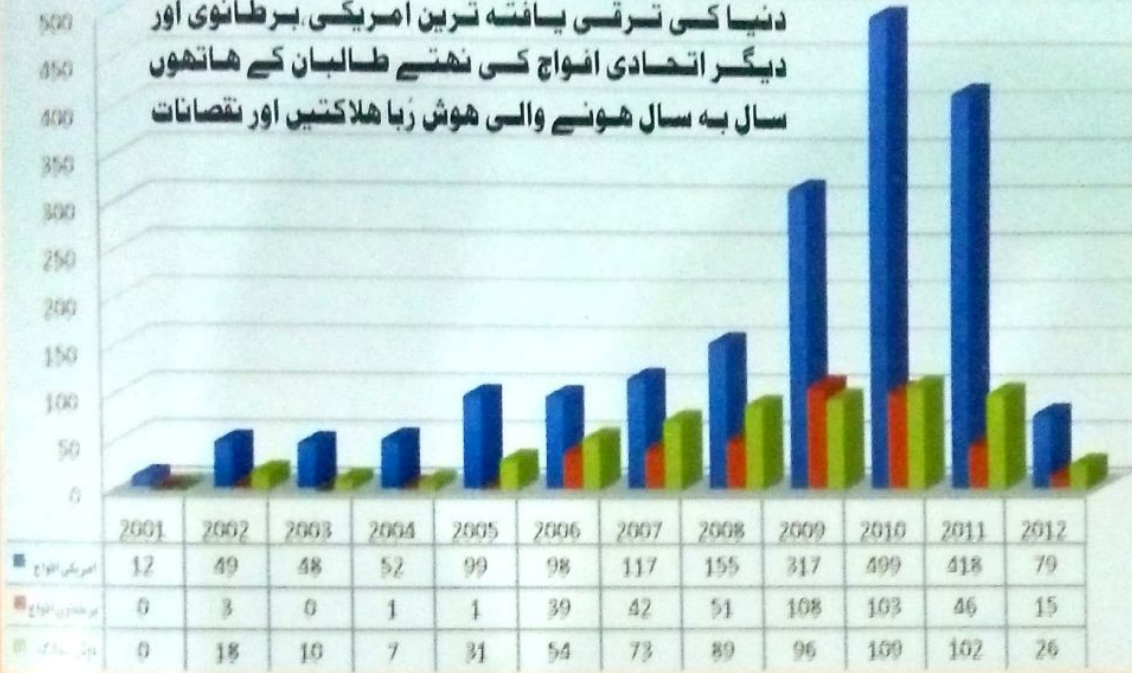
	2001	2002	2003	2004	2005	2006	2007	2008	2009	2010	2011	2012
امریکی افواج	12	49	48	52	99	98	117	155	317	499	418	79
برطانوی افواج	0	3	0	1	1	39	42	51	108	103	46	15
[illegible]	0	18	10	7	31	54	73	89	96	109	102	26

[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
14	[illegible]	11	89	قندھار
175	[illegible]	105	97	ہلمند
12	[illegible]	13	23	غزنی
34	25	12	17	خوست
18	[illegible]	3	9	وردک
4	0	0	0	نورستان
49	18	12	12	کنڑ
9	30	5	3	پکتیکا
9	0	0	8	زابل
29	19	30	3	لوگر
29	13	8	5	کاپیسا
29	7	0	16	ارزگان
9	4	2	1	پکتیا
8	4	0	7	فراہ
6	7	17	5	کابل
26	10	2	16	ننگرہار
16	3	6	3	لغمان
18	2	4	9	ہرات
20	0	0	14	نیمروز
12	6	1	9	بادغیس
1	3	0	0	قندوز
7	4	3	4	بغلان
14	13	6	3	فاریاب
10	0	0	1	پروان
1	0	0	1	سمنگان
1	3	5	0	بدخشان
3	10	0	0	بلخ
2	0	0	0	جوزجان
5	6	0	1	سرپل

طالبان محض اپنے وطن کی آزادی کے لیے جہاد نہیں کر رہے، نہ ان کا جہاد صرف اس لیے عظیم تر ہے کہ ان کے مقابلے میں ساری دنیا کی ظالم طاقتیں جمع ہیں، بلکہ ان کے جہاد کا تقدس اس لیے بھی ہے کہ وہ کعبے کی پاسبانی کا فرض انجام دے رہے ہیں۔ ہمارے مالدار حکمران امریکا کی آشیرباد حاصل کرنے کے لیے متفکر رہتے ہیں، جبکہ نہتے طالبان کے ہاتھوں مارے جانے والے اتحادیوں کی لاشیں شمار کرنا مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ یہ اس کی دلیل ہے طالبان اور ان کے انصار عالم اسلام کی وہ قوت ہیں جو طالع آزما مغرب کی یلغار کا سامنا اور اپنے مقدس مقامات اور قدرتی وسائل کا تحفظ کر سکتے ہیں۔

افغانستان میں مصروف پیکار دنیا کی مشترکہ باطل افواج (مقام اور اعداد و شمار)

نیٹو سپلائی کے مختلف روٹس

افغانستان کے مجاہد طالبان کے خلاف دنیا بھر کے ہوس ملک گیری میں مبتلا طاقتوں کی اجتماعی یلغار دراصل حرمین کی حفاظت کے لیے برسر پیکار نہتے مجاہدین کی آخری پناہ گاہ پر حملے کے مترادف ہے۔ افغانستان کے کوہسار وہ آخری مورچہ ہیں اور طالبان وہ آخری چٹان ہیں جس کے بعد بلادِ حرمین تک کوئی رکاوٹ نہ ہوگی۔ اہلِ اسلام اس حقیقت کو جتنا جلد سمجھ لیں اتنا ہی ان کے حق میں بہتر ہے۔

افغانستان: اتحادی افواج کی ہلاکتوں کا تناسب سال بہ سال

2012ء کے حملوں میں امریکی واتحادی افواج تباہی کے اعداد وشمار

''ارض جہاد'' یعنی افغانستان میں لڑا جانے والا عالمی معرکہ دراصل ''ارض اسلام'' حرمین شریفین کے تحفظ کا معرکہ ہے۔ اگر خدانخواستہ یہ مورچہ ٹوٹ گیا تو پھر ابرہہ کے صلیبی لشکروں کا اگلا ہدف یقینی طور پر حرمین کا مقدس خطہ ہوگا جہاں واپسی کے لیے انہوں نے عرصے سے درون خانہ تیاری کر رکھی ہے۔ طالبان مجاہدین کا جہاد درحقیقت پوری مسلم امہ کی طرف سے فرض کفایہ کی ادائیگی ہے۔